نعت گوئی

اور اس موضوع کے آداب

حمد و نعت کے لطیف موضوع پر منفرد ادبی و تحقیقی کتاب

تالیف: پروفیسر عبداللہ شاہین (ایوارڈ یافتہ)

نظرِ ثانی: پروفیسر ڈاکٹر اشفاق احمد ورک

نعت گوئی

اور اس کے آداب

حمد و نعت میں لطیف فرق اور حدِ فاصل پر منفرد ادبی و تحقیقی کتاب

تالیف: پروفیسر عبداللہ شاہین (ایوارڈ یافتہ)

نظرِثانی: پروفیسر ڈاکٹر اشفاق احمد ورک

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • هیوسٹن • نیو یارک

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659

E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com

Website: www.darussalam.com

- الریاض۔ العلیا۔ فون: 4614483 01 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 01 فیکس: 4735221 • سویلم فون: 2860422 01
- مندوب الریاض: موبائل: 0503459695-0505196736 • قصیم (بریدہ): فون/فیکس: 3696124 06 موبائل: 0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948-0506640175 • مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس: 8151121 موبائل: 0503417155
- جدّہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270 • الخبر فون: 8692900 03 فیکس: 8691551
- ینبع البحر فون/فیکس: 3908027 04 موبائل: 0500887341 • خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 07 موبائل: 0500710328

شارجہ فون: 5632623 6 00971 امریکہ • ہوسٹن فون: 7220419 713 001 • نیویارک فون: 6255925 718 001

لندن فون: 4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون: 4040 9758 2 0061

- 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 7240024-7232400-7111023-7110081 42 0092 فیکس: 7354072 موبائل: 0322-8484569

- غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703 موبائل: 0322-4439150
- Y-260 بلاک کمرشل ایریا، فیز III ڈیفنس، لاہور فون: 042-5084895 موبائل: 0321-4212174

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 2281513 51 0092 موبائل: 5370378 0321

کراچی مین طارق روڈ، (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی

فون: 4393936 21 0092 فیکس: 4393937 موبائل: 0321-2441843

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

کتنا مشکل ہے فاصلہ رکھنا
"نعت" کو "حمد" سے جُدا رکھنا
(محسن حسنین)

انتساب

سَیِّدُالثَّقَلَین اِمَامُ الْقِبْلَتَیْنِ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف انتساب جن کا "حسنِ خُلق" سراپا قرآن تھا۔ مگر ہماری اپنی کم مائیگی کہ

ترے حُسنِ خُلق کی اک رمق میری زندگی میں نہ مل سکی
میں اسی پہ خوش ہوں کہ شہر کے درو بام کو تو سجا دیا
میں ترے "مزار کی جالیوں" ہی کی مِدحتوں میں مگن رہا
ترے "دشمنوں" نے ترے چمن میں خزاں کا جال بچھا دیا

فہرست

عرضِ ناشر

محبت ایک فطری جذبہ ہے۔ محبت کسے کہتے ہیں اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ جاننے کے لیے اس واقعے پر غور فرمائیے.......... ایک دن ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خانہ کعبہ میں بیٹھے تھے۔ انھوں نے جوشِ تبلیغ میں بلند آواز سے مشرکین مکہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ مشرکین کو یہ بات ناگوار گزری۔ انھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا، اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ انھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نازک حالت میں دیکھا تو بہت رنجیدہ ہوئے۔ کہنے لگے کہ جب ابوبکر ہوش میں آئیں گے تو ہم انھیں سمجھائیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دوستی چھوڑ دو، ورنہ اہلِ مکہ تمھیں جان سے مار ڈالیں گے۔ ابھی یہ بات جاری تھی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوش آ گیا۔ انھوں نے آس پاس نگاہ ڈالی اور بے قرار ہو کر پوچھا: أین رسول اللّٰه؟ و کیف رسول اللّٰه؟.

ذرا غور فرمائیے! ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ضربوں سے اس قدر چُور ہیں کہ جان کے لالے پڑ گئے ہیں مگر انھیں اپنی کوئی پروا نہیں۔ اس حالت میں بھی انھیں صرف یہی فکر دامن گیر تھی کہ میرے محبوب اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟ کہیں ظالم مُشرکوں نے انھیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچایا؟

یہ واقعہ محبت کی معراج ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسی ہی محبت سے سرشار تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ

اور اس کے رسول ﷺ کے لیے بے دھڑک جان کی بازی لگا دیتے تھے۔ یہی محبت تھی جس نے ان کے ایمان کو سمندروں سے زیادہ گہرا، پہاڑوں سے زیادہ مضبوط اور شمس و قمر سے زیادہ درخشاں اور دلآویز بنا دیا۔ یہی محبت تھی جس نے اُس خاتون کو بنتِ شہید، زوجۂ شہید اور اُختِ شہید بنا دیا جو غزوۂ احد کے کارزار میں کھڑی تھی۔ چاروں طرف تلواریں چمک رہی تھیں، تیر برس رہے تھے، دھول اُڑ رہی تھی، خون بہہ رہا تھا اور کُشتوں کے پُشتے لگ رہے تھے۔ خاتون کو بتایا گیا: بہن! تمھارا باپ شہید ہوگیا۔ پھر اطلاع دی گئی: تمھارا شوہر مارا گیا۔ پھر بتایا گیا کہ اب تمھارا بھائی بھی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ مگر اِس شہیدِ وفا خاتون نے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔ اُس کی آنکھیں تو بس ایک ہی رُخِ زیبا کو ڈھونڈ رہی تھیں۔........... اچانک دُور سے رسالت مآب ﷺ کا ضیا بار چہرہ نظر آیا تو اُس کے مُنہ سے بے ساختہ یہ صدائے محبت بلند ہوئی (كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ) اے اللہ کے پیارے رسول! آپ صحیح سلامت ہیں تو پھر ساری دنیا کی مصیبتیں ہیچ اور ناقابلِ توجہ ہیں۔...... وہ بھی ندائے محبت ہی تھی جو تپتے ہوئے صحرا میں پتھر کی بھاری سلوں کے نیچے دبے ہوئے بلال رضی اللہ عنہ کے لبوں سے نکلتی رہی اور (أحد، أحد) کا نعرۂ وحدت بن کر گونجتی رہی...... وہ بھی محبت تھی جو عمر رضی اللہ عنہ کی فراست، عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت اور علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کی شکل میں نمایاں ہوگئی۔ اور وہ بھی محبت ہی کی صدائے دل نواز تھی جو حسّان بن ثابت اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما کے دل سے الفاظ کا پیراہن پہن کر نکلی اور نعتِ محمد (ﷺ) کہلائی۔ یوں نعت مسلمانوں کے منور ماضی کی یادگار، اُن کے ایمان کی مضبوطی، تہذیبی حُسن اور ادبِ عالیہ کی پہچان بن گئی۔

ان گزارشات کا مطلب یہ واضح کرنا ہے کہ رسالت مآب ﷺ سے گہری ذاتی محبت و عقیدت کے بغیر کوئی شاعر نعت نہیں لکھ سکتا۔ نعت گو کے لیے ضروری ہے کہ قرآن وسنت

کی تعلیمات سے اچھی طرح باخبر ہو۔ خاص طور پر اُس نے سیرتِ نبوی کا بڑی توجہ سے بھر پور مطالعہ کیا ہو۔ بصورت دیگر وہ نعت گوئی کے آداب کما حقہ پورے نہیں کر سکے گا۔

نعت گوئی کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ ہر نعت گو شاعر نبی کریم ﷺ کی شان بیان کرتے ہوئے بہت محتاط رہے۔ غلو سے کام نہ لے۔ محمد رسول اللہ ﷺ امام الانبیاء ہیں۔ خاتم النبیین ہیں۔ عالم انسانیت کی سب سے بڑی شخصیت ہیں مگر اتنے اعلیٰ اور ارفع مرتبے پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عبدہٗ بھی ہیں۔ شاعر ان کی توصیف و ثنا میں اس منزلت سے ذرہ بھر بھی آگے بڑھے گا تو جادۂ اعتدال سے گر جائے گا اور مقامِ رسول ﷺ کو درجہ الوہیت سے جا ملائے گا۔ اسی طرح عظمتِ رسول ﷺ کے تقاضے پورے طور پر ملحوظ رکھے بغیر بے احتیاطی سے ایک لفظ بھی لکھ دے گا تو متاعِ ایمان گنوا بیٹھے گا۔ پس نعت گوئی رسول اللہ ﷺ کے شایانِ شان ہونی چاہیے۔ نعت کے مضامین میں رسولِ رحمت ﷺ کی سیرت کی ہمہ جہت خوبیاں بیان کرنی چاہئیں۔ یہ بتانا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ عظمتِ آدم کی سب سے اونچی مسند پر جلوہ آرا ہونے کے باوجود کس قدر عاجزی، فروتنی اور انکسار سے کام لیتے تھے اور اللہ رب العزت کے حضور کس کثرت سے نوافل ادا کرتے تھے۔ آپ کی معیشت کتنی سادہ تھی۔ معاشرت کتنی پاکیزہ اور بے تکلف تھی۔ آپ خلقِ خدا پر کتنے شفیق تھے۔ کسی بچے کے رونے کی آواز بھی سن لیتے تو بے قرار ہو جاتے اور نماز کو مختصر کر دیتے تھے۔ غریب بیواؤں کے گھروں پر خود تشریف لے جاتے تھے، ان کی نصرت اور خدمت فرماتے تھے۔ یتیموں کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو پونچھتے تھے۔ غلاموں کی غمخواری کرتے تھے، ان کے کام میں بہ نفسِ نفیس ہاتھ بٹا کر ان کی مشقت ہلکی کر دیتے تھے۔ آپ کو ہر انسان کو کفر اور شرک سے بچانے اور جہنم کے شعلوں سے محفوظ رکھنے کی کیسی تڑپ اور لگن تھی۔ اسی تڑپ اور کُڑھن کے زیر اثر آپ دینِ حنیف کی تبلیغ کرتے تھے۔ اور مکہ کے

بازاروں، طائف کے پہاڑوں اور مدینہ کے نخلستانوں میں ہر چھوٹے بڑے آدمی کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے ہی میں مصروف ومنہمک نظر آتے تھے۔...... بس نعت کے عنوانات اور مضامین ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ اور ان مضامین کو ادب، احتیاط، وقار اور دلکش صوتی آہنگ والے الفاظ کے پیرائے میں منظوم کرنا چاہیے۔......نعت گوئی کے یہ تقاضے آپ کو اس کتاب میں پوری وضاحت وصراحت سے ملیں گے۔

معیاری نعت کہنا، پڑھنا اور سننا بڑے شرف اور سعادت کی بات ہے۔ صحیح اور بلند مضامین کی نعت سے حُبِّ رسول ﷺ میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایمان میں تازگی آتی ہے۔ خیالوں میں شادابی پیدا ہوتی ہے۔اور دل ودماغ میں روحانی سُرور کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں۔مگر اچھی نعت کا معیار کیا ہے؟ نعت کا آغاز کب ہوا؟ ہمارے سلف صالحین سے لے کر اب تک کن کن شعرائے کرام نے حقائق نما، سبق آموز اور ایمان افروز نعتیں کہیں؟ برصغیر میں اُردو نعت گوئی درجہ بدرجہ کن مراحل سے گزری؟ اس کا معیار کیسا تھا؟ ہمارے شاعروں نے کب اور کہاں حُسن معانی اور بلند پایہ مطالب کے فانوس روشن کیے؟ کن مراحل وادوار میں ان کا قلم بھٹکا اور کہاں پہنچ کر وہ آدابِ منقبت سے بے آہنگ ہو گئے؟ اس کتاب کے قابل قدر مصنف پروفیسر عبداللہ شاہین نے ان سب سوالات کا مفصل جواب تمام تر جزئیات سمیت ترتیب وار سپرد قلم کیا ہے۔اس اعتبار سے یہ کتاب معیاری نعتوں کے شائقین کے لیے ہمیشہ چراغ راہ کا کام دے گی۔

عزیزی حافظ عبدالعظیم اسد نے اس کتاب کی ترتیب سے لے کر طباعت تک کے تمام مراحل کی بڑی توجہ سے نگرانی کی ہے۔ دارالسلام کے سینئر ریسرچ سکالر مولانا عبدالولی خان حقانی نے نظر ثانی فرما کر بڑا عالمانہ مقدمہ لکھا ہے۔شعبۂ فقہ ومتفرقات کے انچارج حافظ محمد ندیم اور ان کے معاونین مولانا مشتاق احمد، جناب جعفر طیار، جناب احمد کامران

اور کمپوزنگ سیکشن کے گل رحمٰن، خرم شہزاد اور وسیم احمد کیلانی نے اس کتاب کو حتمی تکمیل کے درجے تک پہنچایا ہے۔ اللہ رب العزت ان سب عزیزوں کو اپنے لطف و کرم سے شاداب رکھے!

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مینجنگ ڈائریکٹر دارالسلام الریاض، لاہور

جنوری 2009ء

سخنِ دل نواز

قارئینِ کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اصنافِ سخن میں موضوع کے اعتبار سے اعلیٰ ترین "حمد" اور مابعد "نعت" ہے کیونکہ ثنائے ربّ العالمین کے بعد صلاۃ وسلام برذاتِ خیر الانام (سیدنا محمدؐ رسول اللہ ﷺ) عظیم نیکی ہے جس کی ادبی ہیئت کا نام ہی "نعت" ہے۔ مگر اس کے حصول میں انتہائی حزم واحتیاط درکار ہے۔ اس لیے کہ اگر "ناعت" تعریف وتوصیفِ نبی (ﷺ) میں تفریط وتقصیر کی مجال یا جسارت کا ارتکاب کر بیٹھے تو بحکم قرآنی "حبطِ اعمال" کا سزاوار ہو گا اور نیکیوں سے جھولی بھرنے کے بجائے تہی دامن ہو جائے گا۔ علی الرغم اگر افراط اور غلوّ کا شکار ہو جائے تو ناراضیٔ ربّ کا مُورِد ٹھہرے گا، لہٰذا بقول پروفیسر اقبال جاوید "نعت کہیے! مگر احتیاط کے ساتھ۔"

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اس نے مجھے مدحتِ رسول (ﷺ) کی نزاکت کے اسی پہلو پہ قلم اُٹھانے کی توفیق بخشی ہے۔ بہ ایں سعادت میں نے اپنے مَبلغ علم کے مطابق مقدور بھر کوشش کی ہے کہ نہ صرف "نعت" کے خدوخال اور حدود وقیود کی نشان دہی کر دوں بلکہ اصنافِ "حمد ونعت" کے مابین جو دبیز مگر نازک فرق اور بین حدِّ فاصل ہے اس کو بھی واضح کر دوں تاکہ نعت گوئی اور نعت خوانی کی فضیلت حاصل کرنے والے سعادت مند حضرات صفاتِ اِلٰہ العالمین کو مناقب وشمائلِ رحمۃ للعالمین (ﷺ) سے خلط

ملط اور گڈمڈ کر کے کہیں جلی یا خفی شرک میں ملوث و مبتلا نہ ہو جائیں...... کہ ''شرک'' ایک نا قابل معافی گناہ ہے۔

میں ادارہ ''دارالسلام'' کے مینجنگ ڈائریکٹر محترم عبدالمالک مجاہد ﷾ اور ''دارالسلام لاہور'' کے جنرل مینجر مکرمی حافظ عبدالعظیم اسد ﷾ کا بھی ممنون ہوں کہ ان کی نظرِ انتخاب نے بفضلہٖ تعالیٰ میری متعدد تصانیف کی روشنی میں مجھے کتاب و سنّت کی نشر و اشاعت کے عالمی ادارے ''دارالسلام'' کی خدمت کا موقع دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں ہر دم اپنا ذکر کرنے اور کثرت سے توصیفِ نبی (ﷺ) میں رطب اللسان رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

محتاج دعا و خادمِ رسول (ﷺ)
پروفیسر (ر) عبداللہ شاہین عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ
گلشن کالونی۔ حافظ آباد

مقدمہ

شعر کی تعریف

لغت میں شعر ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں محض خیالی اور غیر تحقیقی مضامین بیان کیے گئے ہوں۔ اس میں کوئی بحر، وزن، ردیف اور قافیہ بھی شرط نہیں۔ فن منطق میں بھی ایسے مضامین کو ''ادلّہ شعریہ'' اور ''قضایا شعریہ'' کہتے ہیں۔ اصطلاح میں شعر کی تعریف یہ ہے: «اَلْكَلَامُ الْمَوْزُوْنُ الْمُقَفّٰى قَصْدًا» یعنی ارادی طور پر وزن و قافیے کے سانچے میں ڈھالا جانے والا کلام۔'' اصطلاحی شعر و غزل میں بھی چونکہ عموماً خیالات ہی کا غلبہ ہوتا ہے، اس لیے اسے بھی شعر ہی کہتے ہیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ سے شعر کے متعلق سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«هُوَ كَلَامٌ فَحَسَنُهُ حَسَنٌ وَ قَبِيحُهُ قَبِيحٌ»

''شعر کلام ہی ہے، اچھا شعر قابل مدح ہے اور برا شعر قابل مذمت ہے۔''[2]

اس بنا پر اس کی تین قسمیں بنتی ہیں:

① حسن اور پسندیدہ اشعار

یہ وہ اشعار ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہو، رسول اللہ ﷺ کی ذات اور

---

① تفسیر معارف القرآن: 553/6، والمعجم الوسیط، مادة شعر. ② مسند أبي يعلٰى: »

آپ کی سنت کا دفاع ہو، دین اور اہل دین کی حمایت ہو، جہاد، نیکی اور مکارم اخلاق کی ترغیب ہو، گناہوں اور اخلاق رذیلہ سے تحذیر وممانعت ہو، دنیا سے بے رغبتی کا بیان ہو اور حصول علم کی ترغیب ہو۔ اس طرح کے اشعار پسندیدہ اور قابل مدح وستائش ہیں اور نبی ﷺ نے ان کی تحسین فرمائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً»

''یقیناً بعض شعر پُرحکمت ہوتے ہیں۔''[1]

اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے، وہ لبید شاعر کی یہ بات ہے:

«أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ»

''آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔''[2]

اسی طرح نبی ﷺ خود بھی اچھے اشعار سنا کرتے تھے، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک سفر میں أمية بن أبي الصلت کے سو اشعار سنے تھے۔[3] امیہ وہ جاہلی شاعر تھا جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: قریب تھا کہ امیہ مسلمان ہو جاتا۔[4]

اسی طرح نبی ﷺ نے بنی قریظہ کے دن حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اُهْجُ الْمُشْرِكِينَ فَإِنَّ جِبْرِيلَ مَعَكَ»

''مشرکین کی مذمت وہجو بیان کرو، یقیناً جبریل تمھارے ساتھ ہیں۔''[5]

◄◄ 200/8، حديث: 4760، وسلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 447. ① صحيح البخاري، حديث: 6145. ② صحيح البخاري، حديث: 6147. ③ صحيح مسلم، حديث: 2255. ④ صحيح البخاري، حديث: 6147. ⑤ صحيح البخاري، حديث: 4124.

اوران سے فرمایا کرتے تھے:

«أَجِبْ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ، اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ»

''اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے جواب دو، اے اللہ! روح القدس کے ذریعے سے ان کی تائید فرما ''①

② ممنوع اور مکروہ اشعار

اشعار کی دوسری قسم ناجائز و حرام ہے۔ یہ وہ اشعار ہیں جن میں سے شرک کی بو آتی ہو یا مقام رسالت پہ حرف آتا ہو یا جن میں کسی مومن کی ہجو و مذمت بیان کی گئی ہو، فحش گفتگو پر مشتمل ہوں، جھوٹی اور باطل مدح سرائی کی گئی ہو، کفار و فساق کی تعریف و توصیف کی گئی ہو یا اس میں زنا، بدکاری، شراب نوشی اور اخلاق رذیلہ کی طرف دعوت و ترغیب ہو۔

یہ تمام چیزیں کسی عام کلام میں ہوں تو وہ کلام بھی حرام ہے اور جب شعر کی صورت میں ہوں تو وہ شعر بطریق اولیٰ حرام ہے کیونکہ عام نثر کے مقابلے میں شعر کو زیادہ یاد رکھا جاتا ہے حتی کہ بچے بھی اسے یاد کر لیتے ہیں اور شعر ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل بھی ہو جاتا ہے تو اس طرح کا شعر کہنا، سنانا اور سننا حرام اور ناجائز ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جا رہے تھے، سامنے سے ایک شاعر شعر کہتا ہوا آیا تو آپ نے فرمایا:

«خُذُوا الشَّيْطَانَ أَوْ أَمسِكُوا الشَّيْطٰنَ، لَأَنْ يَّمْتَلِيءَ جَوْفُ رَجُلٍ قَيْحًا خَيْرٌلَّهُ مِنْ أَنْ يَّمْتَلِيءَ شِعْرًا»

''اس شیطان کو پکڑو، اسے روکو، کسی آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جانا بہتر ہے کہ

① صحيح البخاري، حديث: 6152.

اس کا پیٹ شعر سے بھر جائے۔''[1]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی شعراء کے بارے میں فرمایا:

﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۞ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۞ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۞﴾

''شعراء کی پیروی سرکش و گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک وہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں۔ اور یہ کہ بے شک وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔''[2]

ان آیات میں شعر و شاعری کی سخت مذمت اور اس کا عنداللہ مبغوض ہونا صاف ظاہر ہے مگر سورت کے آخر میں ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ ''مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے اور اللہ کو بہت یاد کیا۔''[3] کے الفاظ میں جو استثنا مذکور ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شعر مطلقاً برا نہیں ہے بلکہ برا اس وقت ہے جب اس میں مذکورہ بالا قباحتیں اور خرابیاں موجود ہوں۔

③ جائز و مباح اشعار

اشعار کی تیسری قسم جائز و مباح کی ہے۔ یہ وہ اشعار ہیں جن میں بے حیائی، جھوٹ، اخلاقِ رذیلہ اور بدکاری و ناجائز امور کی طرف دعوت و ترغیب نہ ہو۔ مذکورہ برائیوں جیسی شیطانی تحسین سے مکمل طور پر عاری ہوں، بالمقابل ان میں کسی خیر و نیکی کی طرف دعوت ترغیب بھی نہ ہو۔ ایسے اشعار کہنا، سننا اور سنانا مباح ہیں، جیسے کوئی سفر کی مشقت کم کرنے کے لیے اس طرح کے شعر کہے یا ایسا شعر کہے جس میں اپنے بلاد و علاقے اور خاندان کی طرف جانے کے اشتیاق کا اظہار ہو۔ ایسا شعر کہنا اور سننا جائز ہے لیکن اس شرط

---

① صحیح مسلم، حدیث: 2259. ② الشعرآء 26:224-226. ③ الشعرآء 26:227.

کے ساتھ کہ اسے کوئی مستقل طریقہ نہ بنائے، نہ اپنے آپ کو اس کے لیے مخصوص کر دے۔[1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَأَنْ يَّمْتَلِيءَ جَوْفُ رَجُلٍ قَيْحًا يَرِيهِ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ يَّمْتَلِئَ شِعْرًا»

''کسی آدمی کا پیٹ فاسد پیپ سے بھر جائے، یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھر جائے۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے:

«بَابُ مَايُكْرَهُ أَنْ يَّكُونَ الْغَالِبَ عَلَى الْإِنْسَانِ الشِّعْرُ حَتّٰى يَصُدَّهُ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ الْعِلْمِ وَالْقُرْآنِ»[3] امام بخاری رحمہ اللہ کے باب قائم کرنے سے اور دیگر علمائے کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر شعر کا انسان پر غلبہ ہو اور یہ اسے اللہ کے ذکر، علم اور تلاوت قرآن سے روک دے تو یہ نا جائز ہے اور اگر یہ انسان پر غالب نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے ذکر، تلاوت قرآن اور نماز سے نہ روکے تو انسان کے پاس اچھے اور مباح اشعار کا ذخیرہ ہونا جائز ہے۔

مزید تفصیل کے لیے تفسیر القرطبي: 136/13 اور منة المنعم شرح صحیح مسلم: 10/3 دیکھیے۔

نعت گوئی

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ حسن شعر وہ ہے جس میں توحید باری تعالیٰ کا بیان ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سنت کا دفاع ہو، دین اور اہل ایمان کی حمایت ہو تو اس طرح کے اشعار کہنا، سننا اور سنانا مستحب و پسندیدہ ہے۔ اس صنف میں سے ایک صنف نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] دیکھیے شرح صحیح مسلم للنووي حدیث: 2259 کا حاشیہ والفوائد لابن القیم، ص: 198 اور فتح الباري: 539/10. [2] صحیح البخاري، حدیث: 6155. [3] صحیح البخاري،

کی مدح وستائش بھی ہے۔

نبی ﷺ کی تعریف وتوصیف میں کہے گئے اشعار کو اردو اور فارسی زبان میں ''نعت'' کہتے ہیں۔ عربی زبان میں لفظ ''نعت'' وصف اور بیان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس مفہوم میں نہیں کہ جس میں یہ لفظ اردو وفارسی میں استعمال ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کی تعریف وتوصیف پر مشتمل کلام کو عربی میں «مدح النبي ﷺ یا المدائح النبویة» کہتے ہیں۔

اسلام کے اوائل سے ہی شعراء نے نبی ﷺ کی مدح وتوصیف کے بارے میں اشعار کہنے شروع کر دیے تھے۔ مشہور شعراء حسّان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ، کعب بن زہیر، کعب بن مالک، عباس بن مرداس رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ دیگر شعراء نے آپ ﷺ کی مدح وتوصیف میں قصیدے لکھے۔

شعراء صحابۂ کرام اور ان کے بعد کے شعراء نے آپ ﷺ کی مدح وتوصیف میں کسی مبالغہ آمیزی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ قصیدے اس انداز میں لکھے جو ضابطے اور حقائق کے مطابق تھے اور آپ ﷺ کے شایانِ شان بھی۔ ان قصائد واشعار میں کسی قسم کا غلو نہ تھا کہ نبی ﷺ کو مقام بشریت سے اٹھا کر مقام الوہیت پر فائز کر دیا گیا ہو یا صفات الٰہیہ سے متصف کر دیا گیا ہو۔

اس لیے کہ ان کے پیشِ نظر نبی ﷺ کا یہ واضح اور غیر مبہم حکم تھا جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا: عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ»

''میری تعریف میں غلو اور مبالغہ آمیزی سے کام مت لو جس طرح نصاریٰ نے

حدیث: 6154.

عیسیٰ ابن مریم کی تعریف میں غلو اور مبالغہ آمیزی سے کام لیا (کہ اسے الٰہ اور ابن اللہ قرار دیا) میں اللہ کا بندہ ہی ہوں۔تم میرے بارے میں یہ کہو کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''[1]

لیکن اس واضح ارشاد کے باوجود ساتویں صدی ہجری میں جب تصوّف اور بدعت نے زور پکڑ لیا تھا، اہل تصوّف نے اسلاف کے منہج اور مدح کے طریقے سے یکسر خلاف نبی ﷺ کی شان اقدس میں ایسے قصیدے لکھنے شروع کر دیے جن میں نبی ﷺ کو الوہیت کے درجے پر فائز کرنے کی کوشش کی گئی اور آپ کو صفاتِ الٰہیہ سے متصف کر دیا گیا۔

اس رسمِ بد کی ابتدا محمد بن سعید بوصیری کے ہاتھوں ہوئی جو 695 ھ میں اسکندریہ میں ہلاک ہو گیا تھا۔ اس نے نبی ﷺ کے متعلق قصیدے لکھے جن میں سے دو بہت مشہور ہوئے۔ ایک قصیدہ ہمزیہ اور دوسرا قصیدہ میمیہ۔ ان میں سے مؤخر الذکر کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ بوصیری نے اس قصیدے کا نام ''الكواكب الدرية في مدح خير البرية'' رکھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے اُسی جیسے فاسد العقیدہ پیروکاروں نے جھوٹ اور افترا کی بنیاد پر اس کا نام ''قصیدہ بردہ'' رکھ دیا۔ جس میں بے بنیاد اور جھوٹے خوابوں کی تشہیر کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ اس قصیدے کے سننے سے نبی ﷺ بہت خوش ہوئے اور انعام کے طور پر خواب ہی میں اپنی چادر عنایت فرمائی اور پھر وہ چادر بیدار ہونے کے بعد مؤلفِ قصیدہ کے ہاتھ میں تھی۔ اسی وجہ سے اس کا نام قصیدہ بردہ پڑ گیا۔ یہ باتیں بالکل باطل اور بے سند ہیں۔ بہر حال بوصیری کے بعد نبی ﷺ کی مدح و نعت میں غلو و افراط کا عنصر شامل ہوتا گیا یہاں تک کہ برصغیر کی نعتیہ شاعری میں غلو و افراط بھی آخری حدوں سے تجاوز کر گیا۔

---

[1] صحيح البخاري، حديث :3445.

اگر کوئی اس کی مثال دیکھنا یا سننا چاہے تو ان ایمان شکن قوالیوں کی ایک جھلک دیکھے اور سنے جن کا تجزیہ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔

آج کے زمانے میں اکثر شعراء اور نعت گو حضرات نبی ﷺ کی تعریف و توصیف، نعت اور مدح سرائی میں قرآن وسنت سے ہٹ کر مبالغہ سے کام لیتے ہوئے نبی ﷺ کو صفات بشریت سے نکال کر الوہیت و ربوبیت کے درجے میں پہنچا دیتے ہیں۔ لازم ہے کہ ہمارے شعراء اس نہایت اہم اور حساس مسئلے کی طرف خصوصی توجہ دیں اور امام الانبیاء کی تعریف و توصیف کو ان خرافات سے پاک رکھیں، اپنے اشعار میں آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ اور اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کریں، آپ کی تعلیماتِ عالیہ (توحید، عبادات، معاملات کی صفائی اور اخلاق حسنہ) اپنانے کی ترغیب دیں۔ معجزات کا ذکر واقعی اور حقیقی انداز میں ہو کہ یہ معجزات اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں اور نبی ﷺ کے ہاتھ پر اِن کا صدور ہُوا ہے، معجزات آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوتے ہیں۔

آپ ﷺ کی رفعتِ شان کا تذکرہ اس انداز میں نہ ہو کہ اس سے دیگر انبیائے کرام کی تنقیص اور توہین لازم آئے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ ایک یہودی نے ان الفاظ کے ساتھ قسم اٹھائی: «لَا، وَالَّذِي اصْطَفٰى مُوسٰى عَلَى الْبَشَرِ» ”نہیں، قسم اس ذات کی جس نے موسیٰ کو بشریت پر فضیلت دی ہے۔“ ایک انصاری نے یہ الفاظ سنے تو اس نے یہودی کو تھپڑ مارا اور کہا کہ تو یہ کہتا ہے، حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں۔“ یہودی نے نبی ﷺ کے پاس آکر شکایت کی۔ نبی ﷺ نہایت غصے ہوئے اور فرمایا: لَا تُفَضِّلُوا بَيْنَ أَنْبِيَآءِ اللّٰهِ ”اللہ کے نبیوں کے درمیان ایک کو دوسرے پر فضیلت مت دو اور فرمایا: وَلَا أَقُولُ: إِنَّ أَحَدًا أَفْضَلُ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتّٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ ”اور میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی یونس بن

متی علیہ السلام سے افضل ہے۔''[1]

اسلامی نظمیں

عصر حاضر میں اسلامی نظموں یا ''أناشید إسلامیة'' کے سننے سنانے کا رواج چل پڑا ہے، اس بارے میں محقق علماء کی رائے یہ ہے کہ نظمیں اشعار ہی کی طرح ہیں، لہٰذا اگر نظموں میں مضمون صحیح و سلیم بیان ہوا ہو تو نظم صحیح ہے ورنہ غلط۔ بنیادی طور پر نظموں میں بذات خود خرابی نہ ہو تو اسے ممنوع نہیں قرار دیا جا سکتا، یعنی ان کا سننا سنانا مباح ہے لیکن ان میں چند شرطیں ملحوظ رکھی جائیں:

① یہ نظمیں غلو و افراط سے خالی ہوں۔

② سننے سنانے والے اسے اپنی عادت مستمرہ نہ بنائیں کہ قرآن اور وعظ و نصیحت سے زیادہ اسے ہی سنتے رہیں۔

③ گانوں کے طرز پر نہ ہوں اور نہ ہی فاسق و فاجر لوگوں کی آوازوں میں یا ان کے انداز میں ہوں۔

④ آلات سرود و موسیقی کا استعمال اس میں نہ ہو۔ اور نہ ہی ساؤنڈ سسٹم کو اس طرز پر استعمال کیا گیا ہو کہ بعینہ دف طبلہ کی طرح آوازیں اس میں سے نکلیں یا وہ آلات موسیقی کے مشابہ ہو جائے۔

⑤ مردوں کے لیے یہ کلام عورتوں کی آواز میں نہ ہو۔ اسی طرح عورتوں کے لیے بھی فتنہ انگیز مردانہ آواز و انداز میں کوئی کلام نہ ہو۔

⑥ یہ نظمیں آواز کی اس فتنہ انگیزی سے بھی خالی ہوں جس کی وجہ سے توجہ ساری آواز کی طرف جائے اور مضمون و معنی کی طرف دھیان نہ جا سکے۔[2]

---

① صحیح مسلم، حدیث: 1373. ② تفصیل کے لیے دیکھیے فتاویٰ إسلامیة: 533/4، وتحریم ◄◄

نعت گوئی بڑا نازک فن ہے۔ بعض نے اسے تلوار کی دھار قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نعت میں تھوڑا سا بھی غلو ہو گا تو اس کے ڈانڈے الوہیت سے جا ملیں گے جو شاعر کے خرمن ایمان کو جلا کر خاک اور اس کی آخرت کو برباد کر دیں گے۔ اس لیے نعت کہنے اور سننے کے لیے ان آداب کا التزام شرطِ لازم کی حیثیت رکھتا ہے جن کی جناب رسالت مآب ﷺ نے تاکید فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین سمجھنے اور اس پر صحیح طور چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عبدالولی

اگست 2008ء — ریسرچ سکالر: دارالسلام، لاہور

« آلات الطرب للألباني، ص: 181، ومجموع الفتاوىٰ: 565/11، و مجموع فتاوى الشيخ ابن باز: 437/3.

نعت گوئی

نعت کی تعریف

نعت عربی کا لفظ ہے جس کا مادہ ن، ع، ت ہے۔ یہ لفظ عام طور پر وصف اور بیان کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، چنانچہ نعت کے لغوی معنی صفت، وصف، جوہر، تعریف، خاصیت، گُن اور خوبی کے ہیں۔ خصوصاً جب کسی چیز کی تعریف میں مبالغے سے کام لیا جائے تو اس وقت نعت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ نعت کا لفظ ہر اس انسان کے لیے بھی استعمال ہوسکتا ہے جو نہایت خوبرو، نہایت عمدہ، حسین وجمیل، معزز اور سبقت لے جانے والا ہو لیکن اصطلاحاً نبی ﷺ کے اوصاف بیان کرنے کو نعت کہتے ہیں اور نعت کہنے والے کو ''ناعِت'' کہتے ہیں۔ عربی لغت کے مطالعہ سے لفظ ''نعت'' کے مفہوم کے بارے میں جو نمایاں تاثرات اُبھرتے ہیں، وہ اس لفظ کو دوسرے ہم معنی الفاظ، مثلاً: وصف، صفت، تعریف اور منقبت وغیرہ سے منفرد اور ممتاز ٹھہراتے ہیں۔

یہ لفظ اوصافِ حمیدہ، اخلاق حسنہ اور صفات محمودہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کسی شخص کے محض سرسری اوصاف بیان کرنے کے لیے استعمال نہیں ہوتا، البتہ نعت کا لفظ اصطلاحاً رسول اللہ ﷺ کے محامد ومحاسن اور حسن و جمال کے بیان کے لیے مخصوص ہے۔ احادیث میں بھی ''نعت'' کا لفظ واضح طور پر پیغمبر اسلام ﷺ کی تعریف وتوصیف میں

مستعمل نظر آتا ہے، مثلاً: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی بیہقی کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ ایک مرتبہ بیمار پڑ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کا باپ سرہانے بیٹھا ''تورات'' پڑھ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''اے یہودی! «هَلْ تَجِدُ فِي التَّوْرَاةِ نَعْتِي؟» (کیا تم تورات میں میری نعت کو پاتے ہو؟) اس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا ''نہیں۔'' لڑکے نے فوراً سچ بولا: «بَلٰى! وَاللّٰهِ! يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّا نَجِدُ لَكَ فِي التَّوْرَاةِ نَعْتَكَ» (ہاں! اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! ہم تورات میں آپ کی نعت (تعریف و توصیف) پاتے ہیں۔[1] ثابت ہوا کہ خود پیغمبر اسلام نے نعت کا لفظ اپنی تعریف کے لیے استعمال کیا ہے۔ اسی طرح سنن دارمی میں روایت ملتی ہے: «كَيْفَ تَجِدُ نَعْتَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي التَّوْرَاةِ»[2] نیز عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو زبان تک پہنچتے پہنچتے یہ لفظ ایک خاص مفہوم سے وابستہ ہو گیا، یعنی ایسے اشعار (بلکہ تحریریں بھی) جن میں پیغمبر اسلام کی تعریف و توصیف ہو، انھیں ''نعت'' کہا جاتا ہے۔

نعت کی تاریخ

اس امر کا بیان ہو چکا کہ نعت کا لفظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں سب سے پہلے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے استعمال کیا، تاہم احادیث اور سیرت سے یہ بھی سراغ ملتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے یہ لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے استعمال کیا۔ اس خیال کا مرجع شمائل ترمذی کی وہ حدیث ہے جو ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے:

«مَنْ رَآهُ بَدِيهَةً هَابَهُ، وَمَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَبَّهُ. يَقُولُ نَاعِتُهُ: لَمْ أَرَ

---

[1] البداية والنهاية: 171/6، ودلائل النبوة للبيهقي: 272/6. [2] سنن الدارمي، مقدمة، ص: 15.

قَبْلَهُ وَ لَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ»

”جو آپ ﷺ کو پہلی دفعہ دیکھتا ہے، اس پر آپ ﷺ کی ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور آپ ﷺ سے جس کے تعلقات بن جائیں، وہ آپ ﷺ سے محبت کرتا ہے اور آپ ﷺ کا وصف بیان کرنے والا کہتا ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے پہلے نہ آپ ﷺ کے بعد آپ جیسا کوئی دیکھا ہے۔“[1]

اس حدیث میں لفظ «نَاعِتْ» کے استعمال سے بعض نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اسلامی ادب میں اس معنی میں اس لفظ کا استعمال پہلی دفعہ کیا گیا ہے، یہ مفہوم اگرچہ مرجوح ہے۔ تاہم بعثت سے پہلے بھی آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف میں کسی نے بخل سے کام نہیں لیا۔ اپنے اور بیگانے سب آپ ﷺ کے مدّاح تھے۔ درود وسلام کی فرضیت نے اس بادۂ طہور کو دوآتشہ کر دیا۔ خطیبوں کی تقریریں، حدی خوانوں کی تانیں اور شاعروں کے ترانے حمد کے ساتھ نعت النبی (ﷺ) کا بھی احاطہ کرنے لگے۔ نبی ﷺ کی حیات ہی میں حضرت کعب بن زہیر، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی اپنی قوتِ کلام کے جوہر دکھانے شروع کر دیے تھے اور نعت کا بیش بہا خزانہ جمع ہو گیا تھا، البتہ اگر عربی، فارسی اور اردو میں موجود نعتیہ کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو نعت کی تعریف وتاریخ کی عظمت اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

عربی زبان میں نعت کا آغاز یوں ہوا کہ کفار مکہ پیغمبر اسلام ﷺ کو ”محمد ﷺ“ کے بجائے «مذمّم» کہتے تھے اور آپ ﷺ کی ہجو کرتے تھے۔ «نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ» چنانچہ گستاخیِ رسول کے جواب میں مسلمان شاعروں نے مؤثر طور پر نبی ﷺ کا

[1] جامع الترمذي، حديث: 3638.

دفاع کیا اور آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ بیان کیے۔نعت نگاری اسی لسانی جہاد کی پیداوار ہے۔ دربارِ رسالت سے وابستہ شاعروں نے نبی ٔ اکرم ﷺ کے حسب ونسب، کردار و صفات،توصیف وستائش،شجاعت وسخاوت، دیانت وامانت،صداقت وعدالت، جودوسخا، فضل وعطا،علم وحلم،نجابت وشرافت، اخوت ومحبت،بخشش وعنایت، رحمت و شفاعت، محبت وشفقت، جمالِ ظاہری،حسنِ باطنی اور دوسرے پیغمبروں کے مقابل آپ ﷺ کی فضیلت بیان فرمائی۔مضامینِ نعت میں آپ ﷺ کے ایفائے عہد،عیادت وتعزیت کے طریق، انسانی ہمدردی اورغم خواری، مہمان نوازی، دشمنوں سے حسنِ سلوک،عفوو درگزر، حسن معاملات، وسعتِ قلبی و عالی ظرفی، ایثار و احسان، رفتار وگفتار اورمجلسی آداب کا بیان بھی ہے۔نعت گوشعراء نے ان موضوعات کو تمام تر جزئیات کے ساتھ انتہائی احترام اورشیفتگی سے جزوِنعت بنایا ہے۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد جب اسلام کا سورج عرب سے باہر جلوہ فگن ہوا تو اس سے بے شمار ممالک نورِاسلام سے منور ہوگئے۔ قرآن کی تعلیم کے ساتھ نبی ﷺ کی محبت وعقیدت بھی دلوں کو زندہ کرتی گئی اور ہر زبان کے شاعروں اور ادیبوں نے محبت آمیز خطبے اور دلآویز نعتیہ نغمے ایجاد کیے۔اس طرح نعتِ رسول ﷺ جُو بہ جُو، دریا بہ دریا اوریم بہ یم بساط عالم پر چھا گئی۔ بعدازاں زمان ومکاں کی بدلتی ہوئی صورت حال میں جب آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کے نئے نئے پہلو ظاہر ہوئے تو آپ ﷺ کے حوالے سے شعبہ ہائے زندگی کے تمام تر موضوعات شاملِ نعت ہوگئے جن کی بوقلمونی اور رنگا رنگی دورِ جدید کی نعتوں میں بآسانی دیکھی جاسکتی ہے،یعنی نبی ﷺ کی مدح وتوصیف کے علاوہ آپ ﷺ کی ذات،صفات، تعلیمات اورقومی وملّی مسائل کے اذکارکوایک قرینے اورسلیقے سے اپنے اندر سمولیا۔

عرب شعراء کے تتبع میں دیگر زبانوں خصوصاً فارسی میں بہت زیادہ نعتیہ قصائد اور

نعتیں کہی گئیں۔ اس سلسلے میں ہمیں عطارؔ، رومیؔ، نظامیؔ، جامیؔ، خسروؔ، فیضیؔ، سعدیؔ، عرفیؔ، قدسیؔ، قاآنیؔ اور دیگر بے شمار شعراء نظر آتے ہیں جن کے نعتیہ کلام میں محبت رسول ﷺ کے سمندر موجزن ہیں۔ انھی سمندروں سے نعت حبیب کبریا ﷺ کے بادل اٹھے اور ہماری اردو شاعری کو سیراب کرتے چلے گئے۔ دکن سے اردو شاعری کی موجیں شمالی ہند کی جانب بڑھیں تو دیگر اصناف سخن کے ساتھ نعت ومنقبت کے دھارے بھی گلستانِ ادبِ اردو میں موجیں مارنے لگے۔ ولیؔ دکنی سے لے کر امیرؔ مینائی تک اردو شعراء کی ایک کھیپ ہمیں نعت سرائی کرتی نظر آتی ہے اور پھر حالیؔ سے ہوتی ہوئی یہ روایت ظفرؔ علی خان تک قوت وتوانائی کا ایک عظیم مینار بن کر ہمارے سامنے آئی ہے۔ اقبالؔ کے ہاں نعت آفاقی منازل تک صعود کرگئی اور پھر اس کی روشنی کچھ اس طرح پھیلی کہ قیام پاکستان کے بعد نعت گوئی ہر مسلمان شاعر کا جزوِ ایمان بن گئی۔ اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں کہ پاکستان کا شاید ہی کوئی شاعر ہوگا جس نے نعت نہ کہی ہوگی۔ اور اپنے علم وعرفان کی پوری صلاحیتیں عقیدت اور محبت کے گل ہائے رنگا رنگ کے گلدستے سجانے میں صرف نہ کی ہوں گی۔

موضوعاتِ نعت

آج کی نعت اپنے مرکزی موضوع، یعنی مدح رسول سے پھیل کر کائنات بھر کے مسائل کو محیط نظر آتی ہے۔ جوں جوں زمانہ ترقی کر رہا ہے اور نت نئے سائنسی انکشافات ہو رہے ہیں، توں توں نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ کی تعلیمات کے اثرات انسانی تہذیب ومعاشرت اور تاریخ وسیاست پر نمودار ہو رہے ہیں۔

عصر حاضر میں انسانی مساوات، مؤاخات اور آفاقی تصورات کے جو چرچے ہو رہے ہیں اور انسانی ترقی جو منزلیں طے کرتی نظر آ رہی ہے، اس کے پس منظر میں آپ ﷺ

ہی کی اعلیٰ شخصیت اور روشن تعلیمات کارفرما ہیں۔ آپ ﷺ کے پیغام نے انسانی زندگی کی ثقافت و مدنیت، معاشرت و سیاست، تاریخ و تہذیب پر جو صحت مند، روح پرور اور خوشگوار اثرات ڈالے ہیں، وہ سب نعت کا موضوع بن رہے ہیں۔ انسانی آفاقی تصورات کے حوالے سے عصرِ حاضر کی نعتوں میں آپ ﷺ کا ذکر محسن انسانیت کے طور پر دکھائی دیتا ہے۔ نیز آپ ﷺ سے والہانہ محبت کے سبب نعت گو شعراء نے آپ ﷺ کے نعلین، لعاب، پسینہ اور نقش پا کو بھی نعت کا موضوع بنایا ہے۔ (نعتیہ کلام میں) مدینہ کی گلیوں، کوچہ و بازار، خاکِ راہ، سنگِ درِ اقدس، روضۂ اقدس کی سبز جالیاں، گنبدِ خضرا، روضۂ رسول اور مسجدِ نبوی کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ تمنائے زیارت، خواب میں دیدار نبی کی آرزو، مدینہ میں دفن ہونے کی خواہش بھی نعت کے موضوعات میں شامل ہے۔

شاعر کا طبعی رجحان، عقائد، ذہنی افتاد اور اس عہد کے شعری رویوں اور میلانات کے اثرات بھی موضوعات نعت پر نمایاں نظر آتے ہیں، مثلاً: ملت اسلامیہ کے عہدِ ابتلا کی نعتوں میں نبی ﷺ کی رحمت کا ذکر، فتنۂ قادیانیت کے ایام میں آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا ذکر، قومی جنگوں کے زمانے کی نعتوں میں آپ ﷺ کی شجاعت اور جذبہ جہاد سے متعلق فرمودات اور آپ ﷺ کے غزوات کے حوالے بکثرت نظر آتے ہیں۔ شاعروں نے اپنے اپنے عقائد کے مطابق کہیں آپ کے سراپا مبارک اور کہیں خصائل و اخلاق کا بیان کیا ہے۔ کہیں آپ کے معجزات کا بیان غالب ہے تو کہیں رسالت کا، اس طرح کہیں آپ کی سیرت و سوانح تو کہیں آپ کے اسماء و صفات کو نظم کرنے کا شوق غالب ہے۔

نعت کی اہمیت

نعتیہ کلام کی معنوی قدر و قیمت کا دارومدار اس کے نفس مضمون پر ہے۔ اگر اس کا مقصد ذات رسالت مآب کی حقیقی عظمت کو واضح کرنا اور آقائے دوجہاں ﷺ کی بعثت

کی نوع انسانی کے لیے اہمیت نمایاں کرنا ہوتو وہ کلام صحیح طور پر نعت کہلانے کا مستحق ہے، چنانچہ نعت نہایت مشکل صنف سخن ہے۔ نعت کی اس نزاکت کا احساس ان شعرائے کرام کو ہے جو اس کے جملہ تقاضوں سے بخوبی واقف ہیں، پس مولوی احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

”حقیقتاً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر شاعر حد سے بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔“[1]

عبدالکریم ثمر کا کہنا ہے:

”سرکار دو عالم ﷺ کی شانِ اقدس میں ذرا سی بے احتیاطی اور ادنیٰ سی لغزشِ خیال والفاظ ایمان وعمل کو غارت کر دیتی ہے۔“[2]

مجید امجد رقمطراز ہیں:

”جناب رسالت مآب ﷺ کی تعریف میں ذرا سی لغزش نعت کو حدودِ کفر میں داخل کر سکتی ہے۔ ذرا سی کوتاہی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے اور ذرا سا شاعرانہ غلو ”ضلالت“ کے زمرے میں آسکتا ہے۔“[3]

البتہ ”حمد“ میں جتنا چاہے، بڑھا جا سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی کوئی حد نہیں ہے بلکہ وہ احاطۂ تحریر ہی میں نہیں آسکتی۔ اسی بنا پر رسول اکرم ﷺ اللہ جل جلالہٗ کی جناب میں خود عرض کیا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ»

”اے اللہ! ہم تیری حمد وثنا کو كَمَا حَقُّهُ بیان نہیں کر سکتے، تو اسی طرح ہے

---

① الملفوظات، حصہ دوم۔ ② شاخِ سدرہ۔ ③ نقوش ”رسول نمبر“۔

جیسے تو نے خود اپنی تعریف بیان کی ہے۔''[1]

اور قرآن مجید میں اللہ سبحانہ نے اپنی حمد وثنا کی عظمت یوں بیان فرمائی ہے:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۝﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر میرے رب کی صفات لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائیں تو میرے رب کی صفات ختم نہ ہوں، البتہ سمندر ختم ہو جائیں اگرچہ اتنے ہی مزید سمندر آ شامل ہوں۔''[2]

نیز فرمایا:

﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۝﴾

''اور اگر بے شک جو بھی زمین میں ہیں درختوں سے (وہ) قلمیں ہو جائیں اور سمندر (سیاہی) اس (سیاہی) کو زیادہ کریں اس کے بعد سات سمندر (تو بھی) نہ ختم ہوں اللہ کے کلمات بے شک اللہ نہایت غالب خوب حکمت والا ہے۔''[3]

لہٰذا یہ امر مسلّم ہے کہ حمد ونعت کے مابین ایک واضح فرق ہے۔ حمد، معبود کی ثنا ہے اور نعت، عبد کی منقبت۔ اس سلسلے میں قرآن وحدیث کی تعلیم مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے روشنی کا مینار ہے۔ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ ان دو ماخذوں سے باہر کی تعلیمات پر اپنے دینی عقائد کی بنیاد رکھے اور کسی دوسری قوم کی تقلید یا تقابل میں قال اللّٰہ و قال الرسول سے تجاوز کرے چونکہ شاعری میں جذبات وتخیلات کی جولانیاں آدمی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہیں، اس لیے اس کی پیش بندی کے طور پر قرآن نے

---

[1] صحيح مسلم، حديث: 222، وسنن أبي داود، حديث: 1428، وسنن النسائي، حديث: 1748. [2] الكهف 109:18. [3] لقمان 27:31.

شاعری کی مذمت کی ہے۔ یہ مذمت گو دورِ جاہلی کی شاعری کے بارے میں ہے مگر اپنے عموم کی وجہ سے اس نے مسلمان شاعروں کے لیے ابلاغ کا راستہ متعین کر دیا۔ جب یہ ارشاد ہوا:

﴿ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ○ ﴾

تو ساتھ ہی مومن شاعروں کو یوں مستثنیٰ کر دیا۔

﴿ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ○ ﴾[1]

گویا مسلمان شاعروں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ قرآنی تعلیمات کے اندر رہتے ہوئے شاعری کریں اور بے جا غلو سے پرہیز کریں، نیز اپنے توسنِ فکر کو بے لگام نہ ہونے دیں بقول عُرفی:

عُرفیؔ مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بروم تیغ است قلم را

"اے عرفیؔ! اتنی تیزی نہ دکھا! یہ نعت کا راستہ ہے، کوئی صحرا نہیں ہے کہ آنکھیں بند کر کے دوڑتا چلا جائے گا۔ یہ راستہ بہت کٹھن ہے اور اس کی کیفیت تلوار کی دھار پر چلنے کا نام ہے۔"

نعت کی حقیقت

قرآن مجید اپنے خاص صوتی آہنگ کے باوجود شاعری سے بالا اور منزّہ ہے اور اسے مخلوق کے کلام پر وہی فضیلت ہے جو خود خالق کائنات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو کائنات پر

---

[1] الشعرآء 26:227۔

حاصل ہے۔[1] اور جس کے بارے میں پروفیسر اقبال جاوید سخن طراز ہیں:

''میں بعد توبہ واستغفار لکھتا ہوں کہ قرآن مجید میں ترنّم کا جو انداز، آہنگ کی جو کیفیت اور دل نشینی کی جو خصوصیت ہے، اسے ہم شعری جمال و کمال کے جملہ محاسن کے باوجود شعر کا نام نہیں دے سکتے اور قرآن نے شعراء کی تکذیب بھی غالباً اسی لیے کی کہ اس دور کے لوگ نبی ٔ کریم ﷺ کو شاعر اور قرآن کو شعر کہنے لگ گئے تھے۔ گویا قرآن اپنی تمام تر ترنم ریزیوں کے باوجود شعر نہیں ہے۔''[2]

بعض حضرات اس کلام الٰہی (قرآن مجید) سے پیغمبر اسلام ﷺ کی نعت کا استنباط کرتے ہیں۔ بقول مظفؔر وارثی:

پڑھ کے قرآنِ خدا میں نے مظفؔر سیکھا
مالک و سرورِ کونینؐ کی مدحت کرنا

اور یہ:

محمدِ عربی کی لُغات لکھنی ہے
اتار دو مجھے قرآں میں، نعت لکھنی ہے

لہٰذا آیئے! اسی قرآن میں غوطہ زن ہو کر حقیقی نعت کے گوہر ہائے نایاب تلاش کریں جیسا کہ کہا گیا ہے:

نعت گو ہے فقط وہی عابؔد
جس نے قرآں سے اکتساب کیا

قرآن کی گوہر افشانیوں سے مستفیض و مستنیر ہونے کے لیے انبیاء علیہم السلام کے تذکروں

---

① جامع الترمذي، حديث :2926.

② ''نعت کہیے! مگر احتیاط کے ساتھ'' از اقبال جاوید۔

سے آغاز کرتے ہیں جن کا ذکرِ خیر اصطلاحًا تو نعت نہیں ہے لیکن ہے اسی قبیل کی شے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ ①

ہماری سمت سے بھیجے ہوئے یہ سارے پیغمبر
فضیلت ہم نے ان میں بعض کو دی بعض کے اوپر ②

---

① البقرة2:253

② منظوم ترجمۂ قرآن از سیماب اکبر آبادی۔

حضرت آدم علیہ السلام

قرآن عزیز میں انبیاء علیہم السلام کے تذکروں میں سب سے پہلا تذکرہ ابوالبشر آدم علیہ السلام کا ہے جن کا اسم گرامی پچیس مرتبہ آیات قرآنی میں آیا ہے جو اسلوب بیان، طرز ادا اور لطیف پیرائے کے اعتبار سے مختلف نظر آتا ہے لیکن مقصد ایک ہی حقیقت، یعنی عظمت وموعظت ہے۔ واقعہ کا تذکرہ انتہائی تفاخر و تفضّل کے ساتھ:

﴿ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ﴾

''میں (آدم علیہ السلام کو) روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں۔''①

تب باری تعالیٰ نے مسند خلافت پہ جلوہ افروز ہونے والی برگزیدہ شخصیت کا ایک خاص وصف وشرف بیان کیا:

﴿ خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ﴾

''قدرت ''کُن'' کے بجائے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہوا۔''②

﴿ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ﴾

''اپنی (خاص مخلوق) روح کا حامل۔''③

گویا عظمت آدم علیہ السلام کا اعلان کرتے ہوئے ان کی تخلیق وتجسیم کو ''احسن تقویم'' قرار دیا اور اُنھیں تمام جنّ وملک، نیز پوری کائنات کے مقابل تعظیم وتکریم کا مستحق قرار دیا اور علم اشیاء سے نوازا۔ تب فرشتوں کو تعظیمی سجدہ کا حکم یوں ہوا:

① البقرة 30:2. ② صٓ 75:38. ③ الحجر 29:15.

﴿قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾

''فرشتوں سے کہا ہم نے کہ جھک جاؤ سوئے آدم''[1]

فرشتوں نے خلیفہ بنانے پر کہا: ''فساد کرنے اور خون بہانے والے کو آخر کیوں خلیفہ بنایا جا رہا ہے؟''

﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾

درآنحالیکہ ہم تسبیح اور تحمید کرتے ہیں
تری پاکی بیاں کرتے ہیں ہم ''تمجید کرتے ہیں''[2]

تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب اس طرح دیا کہ انھیں خود بخود آدم علیہ السلام کی برتری اور حکمت الٰہی کی بلندی و رفعت کا نہ صرف اعتراف کرنا پڑا بلکہ اپنی درماندگی اور عجز کا بھی بدیہی طور پر مشاہدہ ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا:

﴿اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ﴾

کہا اللہ نے مجھ کو بخوبی ہے خبر اس کی
نہیں حاصل تمھیں جس سے ''کسی عنوان'' آگاہی
اور اس نے سارے اسماء کر دیے تعلیم آدم کو

پھر اس نے سب فرشتوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿فَقَالَ اَنْۢبِــُٔوْنِيْ بِاَسْمَاۗءِ هٰٓؤُلَاۗءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝﴾

اگر سچے ہو تو بتلاؤ مجھ کو نام اشیاء کے

---

① البقرۃ 34:2. ② البقرۃ 30:2.

فرشتوں نے گزارش کی کہ ”ہاں! تو برگزیدہ ہے
ہمیں تو علم بس اتنا ہے جتنا تو نے بخشا ہے
توئی ہے اے خدا، بس علم والا صاحبِ حکمت [1]

اب عنایات و الطاف میں مزید اضافہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو آدم علیہ السلام کی طبیعت و فطرت کسی مونس و ہمدم کی جویا نظر آئی تو ان کی زندگی میں راحت و سکون کے لیے حضرت حوّاء علیہا السلام کو پیدا کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام اپنی رفیقۂ حیات کو پا کر بے حد مسرور ہوئے اور اطمینان قلب محسوس کیا۔ مستزاد یہ کہ دخول جنت کی نعمت حاصل ہوگئی:

کہا یہ ہم نے آدم سے رہو گلزارِ جنت میں
تم اپنی مونسہ یعنی کہ حوّا کی معیّت میں
اور اس کی نعمتیں تم دونوں کھاؤ سیر ہو ہو کر
طبیعت ہو تمھاری جس طرف بھی اور جس جا پر
مگر ہاں! اس شجر کے پاس بھی زنہار مت جانا
مبادا ظالموں کے ساتھ تم ہوجاؤ وابستہ
پھر ان دونوں کے دل میں وسوسہ شیطان نے ڈالا
تاکہ اک دوسرے پر فاش کردے ستر ہی ان کا

یوں آدم علیہ السلام کے انسانی اور بشری خواص میں سب سے پہلے نسیان (بھول چوک) نے ظہور کیا مگر آدم علیہ السلام آخر مقبول بارگاہِ الٰہی تھے، اس لیے شیطان کی طرح مناظرہ نہیں کیا اور غلطی کو تاویلات کے پردے میں چھپانے کی سعیٔ نامشکور نہ کی بلکہ ندامت و شرمساری کے ساتھ اقرار کیا کہ غلطی ضرور ہوئی ہے لیکن تمرد و سرکشی سے نہیں بلکہ برہنائے

[1] البقرۃ 2:31، 32.

بشریت بھول چوک اس لغزش کا باعث ہے، اس لیے توبہ واستغفار کرتے ہوئے عفو و درگزر کی درخواست کی۔

اور اللہ تعالیٰ جس نے رحمت کے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں اور محض ایک حصہ تمام مخلوق میں تقسیم کیا ہے! اس کی شان غفاری کی بے پایاں گہرائی و گیرائی اور وسعت و کشادگی دیکھیے کہ خود ہی آدم علیہ السلام کے احساس ندامت پہ انھیں کلمات توبہ: ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ﴾ القا کیے اور خود ہی کمال مہربانی سے ان کی توبہ قبول فرمالی۔[1]

---

[1] الأعراف 23:7.

حضرت نوح علیہ السلام

آدم علیہ السلام کے بعد نوح علیہ السلام کا تذکرہ بھی اسی استحسان سے ہوتا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝﴾

خدا نے واقعی آدم کو اور خود نوحِ ذی شاں کو
بنایا برگزیدہ جملہ موجوداتِ عالم پر[1]

حضرت نوح علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں میں سے تھے، چنانچہ قرآن مجید نے صراحت کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔
قرآن پاک میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کا نہایت صراحت سے ذکر ہے:

رسالت کی فضیلت دے کے بھیجا نوح کو ہم نے
خود ان کی قوم کی جانب تو ان سے وہ یہ کہتے تھے
کہ اے لوگو! کرو تم بندگی اس اپنے مولا کی
کہ جس کے ماسوا معبود تم سب کا نہیں کوئی

اس کے جواب میں قوم نے کہا:

کہا "اے نوح! کافی کر چکے تکرار تم ہم سے
بہت کچھ طول کھینچا ہم سے اس تکرار میں تم نے

[1] آل عمران 3:33.

تو بس اس بحث کو تم چھوڑ کر فی الفور لے آؤ!
ہمارے سامنے وہ شے کہ جس سے تم ڈراتے ہو
کہا یہ نوح نے ان سے کہ اس میں شک نہیں کوئی
کہ مولا جلد دکھلائے گا تم لوگوں کو شکل اس کی

جب اللہ کا عذاب طوفان کی شکل میں قریب آ گیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے متبعین کو کشتی میں سوار کر لیا۔ لیکن ان کا بیٹا نافرمانوں کے ساتھ ہو لیا۔ نوح علیہ السلام نے شفقتِ پدری میں اسے پکارا لیکن وہ ہدایت کی طرف نہ پلٹا، پھر نوح علیہ السلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے مخاطب ہوئے:

پکارا اپنے رب کو نوح نے اور عرض فرمایا
مرے رب! میرا بیٹا بھی تو میری آل میں سے تھا
کہا اللہ نے اے نوح سن لو بات ہے اتنی
نہیں تھا وہ تمھاری آل میں داخل سرے سے ہی
کہ تھے اس کے عمل سارے کے سارے غیر شائستہ
لہٰذا مجھ سے آئندہ نہ کرنا تم سوال ایسا

اس مرحلے پر جوں ہی نوح علیہ السلام معافی کے خواستگار ہوئے تو رحمتِ باری تعالیٰ نے انھیں اپنے جلو میں لے لیا اور نویدِ قبولیت یوں سنائی:

؎ یہ فرمایا گیا اے نوح! اترو اب سفینے سے
ہماری سمت سے وہ سب سلام اور برکتیں لے کے

حضرت ہود علیہ السلام

قرآنِ مجید میں حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ سات جگہ ہے حضرت ہود علیہ السلام قومِ عاد کی معزز ترین شاخ ''خلوذ'' کے ایک فرد تھے، سرخ وسفید رنگ اور وجیہہ تھے۔[1] جو شخص ان کا کردار قرآنی آیات میں پڑھتا ہے اُس کی آنکھوں کے سامنے ایک ایسی ہستی کا تصور ابھرتا ہے جو وقار اور متانت کا مجسمہ ہے۔ شرافت ونجابت چہرے سے عیاں ہے۔ قوم کی درشتی، تمسخر واستہزا کا جواب صبر وضبط سے دیتا ہے۔ اذیت رسانی اور ذہنی کوفت کے باوجود قوم کی بھلائی کا خواہاں نظر آتا ہے۔

قوم کو اس ناصح مشفق کی پند وموعظت شاق گزری اور وہ لوگ یہ ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے کہ ان کے اِلٰہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سفارشی نہیں ہوں گے۔ ان کے نزدیک ہود (علیہ السلام) کی بات مان لینے میں ان کے معبودوں اور بزرگوں کی توہین وتحقیر تھی جنھیں وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ اور شفیع مانتے تھے۔ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایک اللہ کی طرف بلایا:

به سوئے عاد بھیجا ان کے بھائی ہود کو ہم نے
انھوں نے دعوت اپنی قوم کو دی اس طریقے سے
کہ اے لوگو! کرو تم بندگی اس ذاتِ باری کی
نہیں معبود تم لوگوں کا جس کے ماسوا کوئی

---

[1] عمدة القاري: 225/15.

حضرت صالح علیہ السلام

قرآن حکیم میں حضرت صالح علیہ السلام کا نام آٹھ جگہ آیا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کو ''ثمود'' کہتے تھے۔ قوم ثمود کے افراد اپنے پیشروؤں کی طرح الہِ واحد کے علاوہ بہت سے معبودان باطلہ کے بھی پرستار تھے اور یوں صریح شرک میں مبتلا تھے۔ اس لیے ان کی اصلاح کے لیے ان ہی کے قبیلے میں سے ایک نیک انسان حضرت صالح علیہ السلام کو ناصح پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تاکہ وہ انھیں راہ راست پر لائیں، انھیں اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں جن سے وہ صبح وشام فائدہ اٹھاتے تھے اور ان پر واضح کریں کہ اللہ واحد ولاشریک ہے اور کائنات کی ہر شے اللہ کی توحید اور یکتائی پر دلیل ہے، نیز ان کی اس غلط فہمی کو دور کریں کہ ہر سامانِ عیش خوشنودیٔ الٰہی کا ثمرہ ہوتا ہے کیونکہ قومِ صالح (علیہ السلام) کا خیال تھا کہ اگر ہم باطل پرست ہوتے، اللہ کے صحیح مذہب کے منکر ہوتے اور اس کے پسندیدہ طریقے پر قائم نہ ہوتے تو آج ہمیں دھن دولت، بلند وبالا عالی شان محلات اور عمدہ مرغزاروں کی افزائش حاصل نہ ہوتی جبکہ صالح علیہ السلام اور ان کے پیروکار تنگ حالی اور غربت سے دوچار تھے۔ یہ شیطان اور نفس کا دھوکا ہے کہ انسان خوش عیشی، رفاہیت اور دنیوی جاہ وجلال کو دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھے کہ جس قوم یا فرد کے پاس یہ سب کچھ موجود ہے، وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے سائے میں ہے۔ بعض دفعہ زیادہ رفاہیت وخوش عیشی زیادہ سے زیادہ عذاب و ہلاکت کا پیش خیمہ ثابت

ہوتی ہے۔

چنانچہ جب قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوتِ توحید کو قبول کرنے سے انکار کیا تو فرمایا گیا:

کیا تھا کفر بے شک اپنے رب سے قومِ صالح نے
سنو! رکھے گئے وہ دُور یکسر رحمتِ حق سے
اور ان سب ظالموں کو آ دبایا ایک نعرے نے
وہ یوں اپنے گھروں میں صبح دم پائے گئے اوندھے
کہ جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں مسکن پذیر ان میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام

قرآن کریم کا پیغام رشد و ہدایت اور ملت ابراہیمی کا پیغام ہے، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس عظمت شان کے پیش نظر جو انبیاء و رسل میں انھیں حاصل ہے، قرآن مجید نے ان کا تذکرہ مختلف اسلوب سے کیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام شروع ہی سے موحّد تھے، اس لیے فرمایا گیا:

حقیقت میں تھے ابراہیم اک ذی مرتبہ رہبر
مطیعِ حکم رب، آئینۂ وحدانیت یکسر
نہیں تھی مشرکوں کے ساتھ نسبت ہی کوئی ان کو
خدا کی نعمتوں پر شکر کرنے والے تھے وہ تو
اِلٰہِ پاک نے ان کو کیا تھا برگزیدہ بھی
اُنھیں توفیق بھی بخشی تھی اس نے سیدھے رستے کی

آپ علیہ السلام کی قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی کا شکار تھی جس کا عقیدہ تھا کہ انسانوں کی موت وحیات، ان کا رزق، نفع ونقصان، خشک سالی، قحط سالی اور فتح وشکست غرض ہر چیز ستاروں اور سیّاروں کی حرکات کی تاثیر سے ہوتی ہے، لہٰذا قسمت کے ستاروں کی خوشنودی حاصل کرنی چاہیے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کی عقل پر پڑے ہوئے پردوں کو چاک کرنے کے لیے ان کے دماغوں کے مناسب حال ایک منطقی طریقہ اور دلچسپ

پیرایۂ بیان اختیار کیا۔[1]

اسی نفسیاتی حربے اور معالجے کا بیان قرآن مجید کی آیات میں یوں ہے:

تو جب ان پر تسلط ہوگیا تاریکئ شب کا
انھوں نے اک ستارہ آسماں پر ضوفگن دیکھا
وہ فرمانے لگے کیا یہ ستارہ ہی مرا رب ہے!
مگر جس وقت وہ گم ہوگیا زیرِ اُفق جا کے
کہا میں واسطہ رکھتا نہیں گم ہونے والوں سے
پھر اس کے بعد جب مہتاب کو پرتو فشاں دیکھا
گماں گزرا انھیں اس کا کہ شاید رب ہے یہ میرا
مگر جس وقت وہ بھی ہوگیا نظروں سے پوشیدہ
کہا مجھ کو ہدایت گر نہ فرماتا مرا مولا
تو آجاتا میں خود بھٹکے ہوئے لوگوں کے زمرے میں
پھر آخر کار دیکھا جبکہ سورج کو درخشندہ
گماں گزرا انھیں اس کا کہ شاید رب ہے یہ میرا
کہ یہ تو پیشتر کی دونوں چیزوں سے بڑا بھی ہے
مگر جس وقت وہ بھی چھپ گیا زیرِ افق جا کے
کہا: ”اے قوم! میں بیزار ہوں بے شبہ اس شے سے
جسے تم لوگ اپنے شرک کا ساماں بناتے ہو

یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ صرف ان کے سفلی معبودانِ باطلہ کی حقیقت واشگاف

[1] قصص القرآن از حفظ الرحمن، ص: 120.

کر کے راہِ حق کی طرف دعوت دی بلکہ ستاروں اور سیاروں کی بے ثباتی اور فنا کے منظر کو پیش کر کے اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا کہ تمھارا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ یہ ستارے[1] تمھاری قسمت کو بنانے یا بگاڑنے پر قادر ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے ذات واحد کے بھروسے پر اپنی قوم کے سامنے پیغام حق یوں سنایا:

یہ فرمایا کہ کیا تم لوگ کرتے ہو پرستاری
خدا کو چھوڑ کر اس قسم کی ناکارہ چیزوں کی
کہ تم کو کوئی نفع و ضرر پہنچا ہی نہیں سکتیں
کہا اس وقت ابراہیم نے ان سے کہ اے لوگو!
بھلا کیا پوجتے ہو اپنی ہی مصنوعہ چیزوں کو
درآنحالیکہ تم کو بھی تمھاری صنعتوں کو بھی
کیا ہے خلق ہرآئینہ[2] ربِّ دو جہاں نے ہی
میں تم سب سے کنارہ کرتا ہوں بس آج کے دن سے
اور ان سے بھی جنھیں تم پوجتے ہو ماسوا رب کے

نمرود کو جب یہ معلوم ہوا تو آپے سے باہر ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اس شخص کی پیغمبرانہ تبلیغ و دعوت کی سرگرمیاں اگر اسی طرح جاری رہیں تو یہ میری ربوبیت، ملوکیت اور الوہیت سے بھی سب رعایا کو برگشتہ کر دے گا۔

نمرود نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے دربار میں بلایا اور دریافت کیا کہ اگر میرے علاوہ تیرا کوئی اور رب ہے تو اس کا ایسا وصف بیان کر کہ جس کی قدرت مجھ میں نہ ہو۔

---

[1] جس طرح آج کل لوگ برجِ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت کے ذریعے قسمت کا حال جاننے کا شرکیہ عمل کرتے ہیں۔ [2] ہرآئینہ: بے شک

جب اس کے سامنے رکھی یہ ابراہیم نے حجت
کہ میرا پالنے والا تو ہے وہ صاحبِ قدرت
کہ جس کے ہاتھ میں ہے زندگی اور موت ہر شے کی
کہا اس نے کہ مرگ و زیست پر قدرت ہے مجھ کو بھی
یہ فرمایا پھر ابراہیم نے اس مردِ فاسق سے
کہ میرا رب تو سورج کو عیاں کرتا ہے مشرق سے
اگر قدرت ہے تو مغرب سے تُو کردے اسے ظاہر
یہ سننا تھا کہ بس مبہوت ہو کر رہ گیا کافر

مگر وہ قبولِ حق سے منحرف ہی رہا اور اُس نے بادشاہ کی توہین اور باپ دادا کے دین کی مخالفت کو جرم قرار دے کر ابراہیم علیہ السلام کو دہکتی آگ میں جلا دینا چاہا لیکن ابراہیم علیہ السلام کو ایسا زبردست سہارا حاصل تھا جو تمام نصرتوں کا ناصر ہے اور وہ تھا اللہ واحد کا سہارا جس نے اپنے جلیل القدر پیغمبر اور عظیم المرتبت ہادی کو بے یار و مددگار نہ رہنے دیا اور دشمنوں کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔

﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ [1]

---

[1] الصّٰفّٰت 37:109،110۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے والد ابراہیم علیہ السلام جو بڑھاپے تک بے اولاد تھے۔ ایک روز انھوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فرزندِ ارجمند کے لیے دعا کی:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ ۝﴾

دعا اس طرح ابراہیم نے مانگی کہ اے مولا!
مجھے فرزندِ صالح اپنی رحمت سے عطا فرما!

دعا قبول ہوئی اور انھیں ایک حلیم الطبع بیٹے کی خوش خبری دی گئی:

﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ ۝﴾

''تو ہم نے ان کو اک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔''[1]

مقربینِ بارگاہِ الٰہی کو امتحان و آزمائش کی سخت سے سخت منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے اور قدم قدم پر جان نثاری اور تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے بڑھاپے اور پیری کی تمناؤں کے مرکز، دن رات کی دعاؤں کے ثمر اور گھر کے چشم و چراغ اسمٰعیل علیہ السلام کو صرف حکم الٰہی کی تعمیل میں ایک بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑ دیا:

خدایا کرتا ہوں آباد میں اولاد کو اپنی
اسی وادیٔ بے آب و گیہ میں بے سہارا ہی

---

[1] الصّٰفّٰت 37:100،101۔

کہ جو نزدیک ہی ہے آپ کے اس محترم گھر کے
خداوندا! انھیں توفیق آپ اس امر کی دیجے
کہ وہ رکھیں بڑا ہی اہتمام اپنی نمازوں کا

ایک قول کے مطابق بیت اللہ کی سب سے پہلی اساس حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں رکھی گئی۔[1] مگر ہزاروں سال کے حوادث سے اسے بے نشان کر دیا تھا، البتہ اب بھی وہ ایک ٹیلے کی شکل میں موجود تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اگرچہ فلسطین میں مقیم تھے مگر برابر مکہ میں اپنی اہلیہ اور بیٹے کو دیکھنے آتے رہتے تھے۔ اسی اثنا میں حکم ہوا کہ کعبۃ اللہ کی تعمیرِ نو کرو تو انھوں نے اپنے لڑکے کی مدد سے کھودنا شروع کیا۔ جب سابق بنیادیں نظر آنے لگیں تو انھی بنیادوں پر بیت اللہ کی تعمیر شروع کر دی اور ساتھ ہی دعا کی:

اور ابراہیم نے جب اپنے رب سے عرض فرمایا
بنا دیجے مقامِ امن آپ اس شہر کو مولا
خداوندا! گزارش یہ بھی ہے دامن کشاں رکھیے
مجھے اور میرے بیٹوں کو ہمیشہ بت پرستی سے
بہت لوگ ان کے باعث ہو چکے ہیں نذرِ گمراہی

اللہ تعالیٰ جن ہستیوں کو ابلاغ حق کے لیے چن لیتا ہے ان کے قلوب و اذہان کو اپنے نور سے اس درجہ روشن کر دیتا ہے کہ محبت الٰہی کے مقابلے میں کوئی چیز قابل اعتنا نہیں رہتی، اس لیے ان میں شروع ہی سے یہ استعداد و دیعت ہوتی ہے کہ وہ عہدِ طفولیت ہی سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز اور نمایاں نظر آنے لگتے ہیں اور راہِ حق و صداقت میں

[1] فتح الباري: 481/6، تحت حديث :3365.

ابتلا و امتحان کو خوشی خوشی سہتے اور صبر و رضا کا اسوۂ حسنہ پیش کرتے ہیں۔ یہی مثال حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ہے کہ باپ کی عمر بھر کی دعاؤں کا ثمر، بڑھاپے کی امیدوں کا مرکزِ وحید اور والدین کا اکلوتا بیٹا جب عنفوانِ شباب کی دہلیز پر قدم رنجہ ہوا تو اسے ایک کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا:

تو وہ فرزندِ ابراہیم جب اس عمر کو پہنچا
کہ وہ ہمراہ ان کے بے تکلف چلتا پھرتا تھا
کہا ''دیکھا ہے اے نورِ نظر! یہ خواب میں مَیں نے
کہ تم کو کر رہا ہوں ذبح مَیں حکمِ الٰہی سے
لہٰذا غور کر لو اس پہ تم اچھے طریقے سے
کہا: اے باپ جو کچھ حکم ہے اس پر عمل کیجے
غرض جب کر لیا تسلیم حکم رب کو دونوں نے
لِٹایا اس غرض سے باپ نے بیٹے کو کروٹ سے
ندا فرمائی یہ اس وقت ابراہیم کو ہم نے
کہ بے شک تم نے دکھلایا ہے اپنا خواب سچ کر کے
دیا کرتے ہیں بدلہ مخلصوں کو ہم تو ایسا ہی

حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بشارت سنائی کہ تیرے ہاں پہلی بیوی کے بطن سے بھی ایک بیٹا ہوگا۔ اس کا نام اسحاق رکھنا اسی طرح اسحاق کے ہاں بھی بیٹا پیدا ہوگا جس کا نام یعقوب ہوگا۔

اسی طرح یعقوب علیہ السلام کی ولادت بھی ذات باری تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری کے طور پر ہوئی جو کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مزید مہربانی یہ کی کہ نہ صرف بیٹے اور پوتے جیسے ثمرِ شیریں سے نوازا بلکہ ان دونوں کو نبوت جیسی نعمت عظمیٰ بھی مرحمت فرمائی۔

کیے اسحٰق اور یعقوب ان کو مرحمت ہم نے
نوازا ہم نے ان دونوں کو اعزازِ نبوت سے

قرآن مجید میں ان پیغمبروں کی تعلیمات کا تذکرہ کچھ یوں ہے:

تو کیا اس وقت تھے موجود تم؟ جس وقت آیا تھا
جہانِ زیست سے یعقوب کو پیغام رحلت کا
وہ استفسار جس دم کر رہے تھے اپنے بیٹوں سے
کہ میرے بعد آخر تم کسے معبود مانو گے؟
کہا: کرتے رہیں گے ہم اسی ربّ کی پرستاری

جو رب ہے آپ کا بھی آپ کے سب مورثوں کا بھی
براہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق کا یعنی
وہ جس کی ذات ہے تنہا سزاوارِ پرستاری
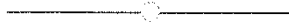
حضرت یوسف علیہ السلام

قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کا چھبیس مرتبہ ذکر کیا گیا ہے جن میں سے چوبیس جگہ صرف سورۂ یوسف میں اور ایک ایک مرتبہ سورۂ انعام اور سورۂ مومن میں مذکور ہے۔[1] انھیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ اپنے پردادا ابراہیم علیہ السلام کی طرح ان کے نام پر بھی قرآن حکیم کی ایک سورت نازل ہوئی، نیز یہ کہ وہ بھی اپنے والد، دادا اور پردادا کی طرح سنِ رُشد کو پہنچ کر اللہ ربّ العالمین کے جلیل القدر پیغمبر بنے اور ملت ابراہیمی کی دعوت و تبلیغ کی۔

اور ایّامِ جوانی میں قدم یوسف نے جب رکھا
تو ہم نے ان کو حکمت اور علمِ باطنی بخشا

جب حضرت یوسف علیہ السلام جوانی کو پہنچے تو حسن وخوبروئی کا کوئی پہلو نہ تھا جو ان میں موجود نہ ہو، چنانچہ عزیزِ مصر کی بیوی ''زلیخا'' دل پر قابو نہ رکھ سکی۔ یہ وقت یوسف علیہ السلام کے لیے سخت آزمائش کا تھا۔ قرآن کریم نے اسے کچھ یوں بیان کیا ہے:

وہ خاتون ان کو پھسلانے لگی اپنی اداؤں سے
کہ جس کے گھر میں وہ اتنے دنوں سے رہتے آئے تھے
کہا یوسف نے یوں اس سے ''خدا محفوظ فرمائے

[1] قصص القرآن از حفظ الرحمن :224/1۔

ترا شوہر تو ہے میرا مُربیّ ایک مدت سے
اسی نے اس قدر ناز و نعم سے مجھ کو پالا ہے
پنپ سکتا نہیں وہ جو خیانت کرنے والا ہے

مگر عزیز مصر کی بیوی پر اس نصیحت کا مطلق اثر نہ ہوا اور اس نے اپنے ارادے کو عملی شکل دینے کے لیے یوسف علیہ السلام کو قید کرانے تک کی دھمکی دی مگر خانوادۂ نبوت کے چشم و چراغ اور منصبِ نبوت کے لیے منتخب ہستی کے لیے بھلا کس طرح ممکن تھا کہ عزیز مصر کی بیوی کے ناپاک عزائم کو پورا کرے، چنانچہ اُس نے ناپاکی اور فحش پر قید و بند کی صعوبتوں کو ترجیح دی۔

جب اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا عشق دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے تو پھر انسان کی زندگی کا مقصدِ وحید وہی بن جاتا ہے اور اس کے دین کی دعوت و تبلیغ کا جذبہ ہر وقت رگ و پے میں دوڑتا رہتا ہے، چنانچہ قید خانے کی سخت مصیبت کے وقت بھی اپنے زندانی رفیقوں سے یوسف علیہ السلام کا سب سے پہلا کام اور کلام یہی تھا:

یقیناً چھوڑ دی ہے ملت اُن افراد کی میں نے
خدائے پاک کی ہستی پہ جو ایماں نہیں رکھتے
روِش میں کر چکا ہوں اختیار ان اپنے آبا کی
براہیم اور اسحاق اور خود یعقوب کی یعنی
نہیں ہے یہ طریقہ تو ہمارے واسطے زیبا
کہ ٹھہرائیں کسی شے کو شریکِ ہستیِ مولا
مجھے اے میرے زندانی رفیقو! دو جواب اس کا
کئی معبود بہتر ہیں کسی کے یا وہ اِک مولا؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک مقدس زندگی گزاری۔ بچپن، جوانی اور کہولت، زندگی کے تمام گوشے تقویٰ، عفت، صبر و استقامت، دیانت اور عشقِ الٰہی کے روشن مظہر بن گئے۔ عزیز مصر کی بیوی اور اس کی ہمنوا حسین مصری عورتوں کی ترغیبات کے باوجود ان کی مطلب براری نہ کرنے پر قید و بند کے مصائب تھے مگر ان تمام حالات میں حضرت یوسف علیہ السلام کا اعتماد اور ان کی دعاؤں اور التجاؤں کا مرکز صرف ایک ہستی اللہ تعالیٰ تھا۔ وہ نہ بادشاہ وقت کے سامنے عرض گزار ہوئے اور نہ ان خوب رُویاں اور عشوہ طرازانِ حسن و جمال سے رجوع کیا بلکہ ہر موقع پر ربّ العالمین ہی سے مدد کے طالب ہوئے۔
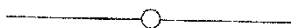
حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ شیریں کلامی، حسنِ خطابت، طرز بیان اور طلاقت لسانی میں بہت نمایاں مقام رکھتے تھے۔ اسی لیے مفسرین انھیں خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔[1]

حضرت شعیب جب اہلِ مدین کی طرف مبعوث ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ اللہ کی نافرمانی اور معصیت کا ارتکاب صرف افراد و احاد ہی میں نہیں پایا جاتا بلکہ ساری قوم اپنی بداعمالیوں میں اِس قدر سرمست و سرشار ہے کہ انھیں ایک لمحے کے لیے بھی احساسِ معصیت نہیں ہوتا۔ مستزاد یہ کہ تمام قوم گرداب ہلاکت میں مبتلا ہونے کے باوجود اپنے ان مہلک اعمال، یعنی ناپ تول میں کمی اور دیوی دیوتاؤں کی پرستش کو باعث فخر سمجھتی ہے۔

حضرت شعیب نے نرم و گرم ہر طریقے سے قوم کو رشد و ہدایت کی طرف بلایا مگر قوم نے کہا:

وہ بولے "اے شعیب! اس کی وضاحت تو ذرا کر دو
تمھاری یہ نمازیں کیا سکھاتی ہیں یہ رہ تم کو؟
کہ ہم یکسر پرستش چھوڑ دیں ان دیوتاؤں کی

[1] المنتظم في تاريخ الأمم والملوك: 324/1، وإرشاد الساري لشرح صحيح البخاري: 257/7.

ہمارے باپ دادا کرتے تھے جن کی پرستاری
اور اپنے صرف میں ہم چاہ سے لائیں نہ مالوں کو؟
ارے تم تو بڑے صابر، بڑے ہمدرد انساں ہو!

جب قوم نے شعیب علیہ السلام کی شبانہ روز دعوت کو ٹھکرایا اور انھیں دھمکیاں دینے لگے اور مذاق اڑانا شروع کر دیا اور کہا کہ جو عذاب لانا چاہتے ہو، لے آؤ تو شعیب علیہ السلام نے کہا:

بہت ہی جلد کھلنے والا ہے اب تم پہ یہ عقدہ
کہ رسواکن عذابِ کردگار اب کس پہ آئے گا
اور آ پہنچا ہمارا قہر جس دم چار جانب سے
بچایا خود شعیب اور ان تمام افراد کو ہم نے
کہ جو تصدیق کرنے والے تھے ان کی نبوت کی
نجات ان کی ہماری خاص رحمت کی بدولت تھی

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام اور ان سے متعلق واقعات کا ذکر متعدد مقامات پر آیا ہے جس سے ان کی عظمت اور شان کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس اعزاز کے ساتھ فرمایا ہے:

﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۚ﴾

''میں نے تمھیں خاص الخاص اپنے لیے بنایا ہے۔''[1]

اور انھیں یہ شرف بخشا کہ فرعون جب اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا فیصلہ کر چکا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ولادت کے بعد قاتلوں کی نگاہ سے نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اپنی قدرت کاملہ سے فرعون ہی کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام کی اپنی والدہ کے ہاتھوں آغوش محبت وتربیت میں پلے بڑھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام جب جوانی کو پہنچے تو ایک روز اہلیہ سمیت مدیَن سے مصر کا سفر کرتے ہوئے سرد رات میں آگ کی جستجو پر مجبور ہو گئے کہ تاپ کر خنکی دور کر سکیں مگر بقول شاعر:

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

موسیٰ علیہ السلام نے جس روشنی کو آگ سمجھا تھا، وہ نور الٰہی کی تجلی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان سے

---

[1] طٰہٰ 41:20.

ہم کلام ہوئے، اس طرح آپ ''کلیم اللہ'' بن گئے جنھیں ندا دی گئی:

کہ ہُوں بے شک الٰہِ واحد و قہار بس میں ہی
نہیں میرے سوا کوئی سزاوارِ پرستاری
لہٰذا صرف میری ہی عبادت تم کرو دائم
مری ہی یاد کی خاطر نمازیں تم کرو قائم
بس اب تم جانبِ فرعون جاؤ امرِ حق لے کے
بڑی ہی سرکشی پر باندھ رکھی ہے کمر اس نے

دنیا کی تاریخ میں ایک ایسی قوم جو تقریباً ساڑھے چار سو سال سے مصر کے قاہر و جابر بادشاہوں کے ہاتھوں غلام اور مظلوم بنی ہوئی تھی۔ اچانک اسی مردہ قوم میں سے بجلی کی کڑک اور آفتاب کی چمک کی مانند ایک برگزیدہ ہستی سامنے آتی ہے اور اس کی صدائے حق اور اعلان ہدایت سے تمام قلمرو باطل لرزہ براندام ہو جاتی ہے۔ اور ایوانِ ظلم و کفر میں بھونچال آ جاتا ہے۔ فرعونی طاقت اپنے تمام مادی اسباب کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتی ہے مگر شکست کا منہ دیکھتی ہے۔ با ایں ہمہ فرعون مصر ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے مصداق، مشرف بہ ایمان ہونے والے جادوگروں کو تختۂ دار کی دھمکیاں دیتا ہے۔ مگر ان کا برملا ایمان افروز جواب یہی تھا:

وہ یوں کہنے لگے ہم کو نہیں پروا ذرا اس کی
کہ جانا ہے یقیناً ہم کو اپنے رب کی جانب ہی
یقیناً ہم تو ہیں امیدوار اس بات کے یکسر
کہ وہ مولا ہماری سب خطائیں بخش دے یکسر

حضرت الیاس علیہ السلام

قرآن مجید میں حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر دو جگہ آیا ہے۔ سورۂ انعام اور سورۂ صافات میں۔ سورۂ انعام میں تو ان کا نام صرف انبیاء علیہم السلام کی طویل فہرست میں مذکور ہے لیکن سورۂ صافات میں تعریفی کلمات کے ساتھ ان کی بعثت اور دعوتِ توحید کا ذکر کچھ یوں ہے:

حقیقت ہے کہ تھے الیاس بھی پیغمبروں میں سے
انھوں نے جبکہ اپنی قوم کو ٹوکا یہ فرما کے
ارے کیا تم اِلٰہ کا بھی نہیں رکھتے ہو خوف آخر
بنانے والا ہے جو سب سے بہتر ساری چیزوں کا
ارے کیا تم پرستش ''بعل'' کی کرتے ہو اے لوگو!
اور اس صورت گرِ ہستی سے یکسر بے تعلق ہو
خدا ہی پرورش فرمانے والا تم سبھوں کا ہے
وہی پروردگار از بس تمھارے مورثوں کا ہے
مگر کرنے لگے درّانہ تکذیبِ پیمبر وہ
لہٰذا کر لیے جائیں گے ماخوذ اس خطا پر وہ
بجز اللہ کے اخلاص رکھنے والے بندوں کے

﴿سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ﴾

حضرت داود علیہ السلام

قرآن عزیز میں حضرت داود علیہ السلام کا ذکر سورۂ بقرہ، نساء، مائدہ، انعام، بنی اسرائیل، انبیاء، نمل، سبا اور صٓ میں آیا ہے، ان سورتوں میں ان کے حالات بعض جگہ مختصر اور بعض جگہ تفصیلی طور پر مذکور ہیں۔ داود علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جن پر اللہ کا یہ زبردست انعام ہوا کہ وہ منصب نبوت و رسالت سے بھی سرفراز کیے گئے اور انھیں عنان حکومت بھی ملی۔

حضرت داود علیہ السلام کی ایک منفرد اور نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے تھے اور اس قدر خوش الحان تھے کہ جب تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوتے تو ان کے وجد آفریں نغموں سے نہ صرف انسان بلکہ وحوش و طیور بھی متاثر ہو جاتے اور آپ علیہ السلام کے ارد گرد جمع ہو کر اللہ کی حمد کے ترانے گاتے اور سریلی و پر کیف آوازوں سے تقدیس و تسبیح میں حضرت داود علیہ السلام کی ہمنوائی کرتے حتیٰ کہ پہاڑ بھی حمد باری تعالیٰ کرتے ہوئے گونج اٹھتے۔

حضرت داود علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے کہ یا اللہ! ایسا سبب پیدا کر دے کہ میرے لیے ہاتھ کی کمائی آسان ہو جائے کیونکہ میں بیت المال پر اپنی معاش کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور لوہا ان کے ہاتھ میں

نرم کردیا جسے وہ ذریعہ معاش بناتے اور ہاتھ کی کمائی سے حلال روزی حاصل کرتے۔[1]

انبیاء و رُسل میں سے حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ صرف حضرت داود علیہ السلام ہی وہ پیغمبر تھے جنھیں قرآن کریم میں ''خلیفہ'' کے لقب سے پکارا گیا ہے لیکن اس فضیلت کے ساتھ ساتھ یہ فریضہ بھی عائد کردیا گیا کہ منصب خلافت کی ادائیگی میں وہ ہمیشہ حق کے ساتھ فیصلے بھی صادر فرمائیں۔ آپ اس عطا کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوئے:

الٰہا! اس عظیم المرتبت ذمہ داری سے سبکدوش ہونا میری اپنی طاقت سے باہر ہے جب تک کہ تیری اعانت اور مدد شامل حال نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت داود علیہ السلام کا یہ عمل ایسا پسند آیا کہ مغفرت باری تعالیٰ نے انھیں اپنی آغوش میں لے لیا اور شرف قبولیت کی نوید مسرت سنائی۔

---

[1] ہم تو محنت کشوں کو نائی، دھوبی، لوہار، ترکھان، کمہار، جولاہے اور موچی جیسے ناموں سے موسوم کرتے اور حقارت سے ''کمی'' کہہ کے پکارتے ہیں جبکہ یہ نبیوں کا وصف ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ دراصل دوسروں کو ''کمی'' کہنے والے خود ''نکمی'' عادات کا شکار ہیں۔ وہ آرام سے بیٹھے بٹھائے جاگیروں کی کمائی کھانے پر اتراتے ہیں اور بزعم خویش اپنے آپ کو نسلی طور پر اعلیٰ گردانتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داود علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ انعام فرمایا تھا کہ وہ چرند پرند کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔[1] قرآن حکیم نے ان کے اس شرف کا بیان کچھ یوں کیا ہے:

بہت سے علم داود اور سلیماں کو دیے ہم نے
بطورِ شکرِ نعمت اس طرح وہ کہتے رہتے تھے
کہ تعریفیں ہیں زیبا بس خدا ہی کے لیے ساری
وہ مولائے دو عالم جس نے ہم کو برتری بخشی

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو یہ بے مثل شرف بھی عطا فرمایا تھا کہ جن وانس، حیوانات وطیور، نیز ہوا تک بھی بحکم باری تعالیٰ ان کی مطیع تھی اور یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ درگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی:

دعا مانگی کہ مولا میری لغزش درگزر کر دے
اور ایسی سلطنت بھی تو مجھے اے میرے داور! دے
کہ ویسی پھر کسی کو بھی نہ میرے بعد حاصل ہو
یقیناً ہے بڑا ہی صاحبِ جود و کرم تُو تو

---

[1] النمل 16:27.

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ایسی عظیم الشان حکومت اور بے انتہا دولت وثروت عطا فرمائی کہ جس کے صرف وخرچ اور داد و دہش پر منجانب اللہ کوئی روک یا باز پرس بھی نہیں تھی۔ اس کے باوصف سلیمان علیہ السلام اس دولت وحکومت کو اللہ کی مخلوقِ کی خدمت کے لیے امانت الٰہی سمجھ کر مصرف میں لاتے اور اپنی ذات پر ذرا بھی خرچ نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی روزی ٹوکریاں بنا کر حاصل کرتے تھے۔ اور تمام تر شوکت وسطوت کے باوجود مقام بندگی پہ نازاں تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام ایک پاک و مقدس انسان اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء و رسل کی جماعت میں سے تھے۔ قرآن مجید نے اللہ کے اِس خاص بندے کا ذکر بڑے لاڈ پیار سے کیا ہے۔ کیونکہ عبدیت انبیاء علیہم السلام کا سب سے بڑا مقام اور اعزاز ہے اور انھوں نے عبودیت کو ہمیشہ اپنے لیے باعثِ فخر سمجھا ہے کبھی عار کا باعث نہیں سمجھا، بفحوائے عبارتِ قرآنی:

﴿لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾

نہ خود عیسیٰ ہی جھجکیں گے خدا کا "بندہ" ہونے سے
نہ وہ سارے فرشتے ہی، مقرب ہیں جو مولا کے [1]

ایوب علیہ السلام دولت و ثروت اور کثرت اہل و عیال کے لحاظ سے بھی بہت خوش بخت تھے مگر یکا یک امتحان و آزمائش میں آ گئے۔ مال و منال برباد ہوا۔ وجاہت و عزت، دولت و ثروت اور خوش حالی و رفاہیت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کچھ مشکل نہیں لیکن مصیبت و بلا، رنج و محن اور عُسرت و تنگ حالی میں راضی بقضا رہ کر حرفِ شکایت زبان پر نہ لانا اور صبر و استقامت کا ثبوت دینا بہت کٹھن ہے، تاہم حضرت ایوب علیہ السلام صبر و شکر کے ماسوا حرفِ شکایت تک زبان پر نہیں لائے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا اور مصائب دور فرما کر فضل و عطا سے مالا مال کر دیا۔

---

[1] النسآء 4:172.

حضرت یونس علیہ السلام

قرآن حکیم میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر چھ جگہ آیا ہے۔ چار جگہ اسم گرامی ''یونس'' کے ساتھ اور دو جگہ ''ذوالنون'' اور ''صاحب الحوت'' کے صفاتی ناموں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔[1]

حضرت یونس علیہ السلام اہل نینویٰ کی رشد و ہدایت کے لیے مامور ہوئے تھے۔ قوم نے جب دعوت توحید پر کان نہ دھرا اور شرک وکفر پر مُصِر رہی تو خفا ہو کر بددعا دی اور وحیٔ الٰہی کا انتظار کیے بغیر ان کے درمیان سے غضب ناک ہو کر روانہ ہو گئے۔

دریائے فرات سے کشتی میں سوار ہوئے جو طوفانی ہواؤں میں گھر کر ڈگمگانے لگی۔ اہل کشتی نے وزن کم کرنے کے لیے قرعہ اندازی میں آپ کا نام نکلنے کے بعد دریا میں پھینک دیا جہاں مچھلی نے آپ علیہ السلام کو نگل لیا۔ مچھلی کے پیٹ میں زندہ و سلامت یونس علیہ السلام نے فوراً درگاہ الٰہی میں اپنی ندامت کا اظہار کیا:

تو بس گھرے اندھیروں میں انھوں نے یہ دُہائی دی
کہ اے مولا! سوا تیرے نہیں معبود کوئی بھی
تِری ہستی الٰہی سارے عیبوں سے منزّہ ہے
شمار اہلِ خطا ہی میں بہ ہر تقدیر میرا ہے

---

[1] قصص القرآن: 153/2.

اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی درد بھری پکار سنی اور قبول فرماتے ہوئے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ یونس علیہ السلام کو اُگل دے، چنانچہ مچھلی نے انھیں ساحل پر اُگل دیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام

حضرت زکریا علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ ان کا ذکر قرآن مجید میں کچھ یوں ہوا ہے:

اسی صورت زکریا اور یحییٰ کو ہدایت دی
یوں ہی عیسیٰ کو اور الیاس کو بھی راہ دکھلائی
یہ مذکورہ تمام افراد تھے شائستہ لوگوں میں

گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام، خواہ وہ صاحب حکومت ہی کیوں نہ ہوں، اپنی روزی اپنے ہاتھ سے کماتے اور کسی شخص یا بیت المال کے بارِ دوش نہیں ہوتے تھے۔

چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام بھی اپنی روزی کے لیے نجاری (بڑھئی) کا پیشہ کرتے تھے۔ ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔[1] انھیں اس بات کی فکر تھی کہ ان کے بھائی بند ہرگز اس کے اہل نہیں ہیں کہ ان کے بعد بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کی خدمت سرانجام دے سکیں، پس اگر اللہ تعالیٰ کوئی نیک سرشت بیٹا عطا فرما دیتا تو اطمینان ہو جاتا کہ وہ خلف الرشید بن کر یہ فریضہ انجام دیتا رہے گا مگر چونکہ وہ نہایت بوڑھے ہو چکے تھے اور بیوی بھی بانجھ تھی، اس لیے اسباب ظاہری سے اولاد کی کوئی صورت نہ تھی، تاہم قرآن مجید میں ان کی پکار بجناب باری تعالیٰ اور جواباً رحمت ربانی کا ذکر کچھ یوں ہوا:

---

[1] مسند أحمد :2/485.

اور اے مرسل بیان احوال کیجے کچھ زکریا کا
انھوں نے اپنے رب کو اس طرح سے جب پکارا تھا
"الٰہی مجھ کو لاوارث زمانہ میں نہ رکھیے گا
کہ وارث سب سے بہتر آپ ہی میرے ہیں اے مولا
تو ہم نے اپنی رحمت سے دعا کر لی قبول ان کی
دُرِ یحییٰ سے ہم نے ان کی دُرجِ[1] آرزو بھر دی
بنایا قابلِ اولاد ہم نے ان کی زوجہ کو
بلاشک نیکیوں پر تھے بڑے ہی مستعد وہ تو
بہ صد بیم و رجا[2] ہم کو پکارا کرتے تھے وہ سب
کہ ہم سے عاجزانہ پیش آنے والے تھے وہ سب

---

① دُرج: جواہرات کا صندوقچہ

② بیم ورجا: خوف اور امید

حضرت یحییٰ علیہ السلام

حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ان کا نام بھی اللہ تعالیٰ کا فرمودہ ہے، آپ نیکیوں کے سردار، زہد و ورع میں بے مثال اور اپنے خالہ زاد بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کرنے والے تھے، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد مبارک کچھ یوں ہے:

تم اے یحییٰ کتاب اللہ کو مضبوط ہو کر، لو
عنایت کی تھی ہم نے کم سنی میں فہمِ دیں ان کو
مزاجِ نرم اور پاکیزگی بھی ان کو بخشی تھی
وہ بے حد متقی تھے واقعی اور پاک دامن بھی
بڑے خدمت گزار از بس کہ تھے ماں باپ کے اپنے
وہ نافرمان بندے بھی نہیں تھے اپنے مولا کے
سلام اس روز بھی ان پر ولادت جب ہوئی ان کی
سلام اس روز بھی ان پر کہ رحلت ہوگی جب ان کی
اور اس دن بھی کہ جب زندہ کیے جائیں گے وہ پھر سے

اللہ تعالیٰ کی جناب سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ان آیات میں جو سلامتی کی دعا دی گئی ہے، اس میں تین اوقات کی تخصیص کی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے لیے یہی تین اوقات سب سے زیادہ نازک اور اہم ہیں وقت ولادت، جب وہ دنیا میں آتا ہے، وقت موت، جب وہ عالم برزخ میں پہنچتا ہے اور وقت حشر ونشر کہ جس میں عالم برزخ سے عالم آخرت میں اعمال کی جزا وسزا کے لیے پیش ہونا ہے، لہٰذا جس شخص کو اللہ کی جناب سے ان تین اوقات کے لیے سلامتی کی بشارت مل گئی، اسے سعادتِ دارین کا کُل ذخیرہ مل گیا۔

وہ اللہ کے برگزیدہ نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بچپن ہی میں علم وحکمت سے مامور کر دیا تھا۔ ان کی تعلیمات کا نچوڑ پانچ احکام تھے جو یہ ہیں:

- اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور نہ کسی کو اس کا شریک وسہیم ٹھہراؤ۔
- خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرو کیونکہ جب تک تم نماز میں کسی دوسری جانب متوجہ نہ ہوگے، اللہ تعالیٰ برابر تمھاری جانب رضا ورحمت کے ساتھ متوجہ رہے گا۔
- روزہ رکھو، اس لیے کہ روزے دار کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک جماعت میں بیٹھا ہو اور اس کے پاس مشک کی تھیلی ہو جس کی خوشبو سے وہ دوسروں کو بھی مست کرتا رہے۔
- مال میں سے صدقہ نکالا کرو کہ یہ دھن دولت قربان کر کے جان چھڑانے کے مترادف ہے۔
- دن رات میں کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے رہو کیونکہ بلاشبہ انسان کے دشمن ''شیطان'' کے مقابلے میں اللہ کے ذکر میں مشغول ہونا مضبوط قلعے میں محفوظ ہونا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبروں میں سے تھے۔ ان کی جلالت قدر اور عظمت شان کا ایک امتیازی نشان یہ ہے کہ انھیں ماں کی گود میں ہی قوت گویائی عطا فرمائی اور ان کے اجداد ''آل عمران'' کو اللہ تعالیٰ نے اہل عالم پہ فضیلت دی:

تمام اولادِ ابراہیم کو اور آلِ عمراں کو
بنایا برگزیدہ جملہ موجوداتِ عالم پر

اہلِ تاریخ نے لکھا ہے کہ عمران، صاحبِ اولاد نہیں تھے اور ان کی بیوی «حنّہ» بہت زیادہ متمنی تھیں کہ ان کے اولاد ہو، اس لیے وہ درگاہِ الٰہی میں دست بہ دعا اور قبولیت کے لیے منتظر رہتی تھیں۔ دل سے نکلی ہوئی دعا قبول ہوئی اور حنّہ چند روز میں امید سے ہوگئیں جس کے نتیجے میں حضرت مریم علیہا السلام پیدا ہوئیں جن کا ذکر قرآن میں اسی تکریم سے کیا گیا ہے جو انبیاء علیہم السلام کو نصیب ہوئی:

اور اس قرآں میں پڑھیے اے پیمبر! ذکرِ مریم بھی
جنھوں نے کی حفاظت خوب ہی ناموس کی اپنی

انھی مریم صدیقہ علیہا السلام کو جو عابدہ و زاہدہ اور عفت مآب خاتون ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی والدہ «حنّہ» کی ''نذر'' کے مطابق مسجد اقصیٰ کی خدمت پر بھی مامور تھیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی قدرت کاملہ سے بغیر شوہر کے عیسیٰ علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا۔

تو ہم نے ''روح'' اپنی کالبُد میں پھونک دی ان کے
شمار ان کا ہے حد درجہ اطاعت کیش لوگوں میں

جس مبارک بچے نے حضرت مریم کی آغوش میں پیغامِ حق سنا کر بنی اسرائیل کو حیرت میں ڈال دیا تھا، اس نے سنِ رشد کو پہنچ کر یہ اعلان کر کے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور رشد و ہدایتِ خلق اس کا فرض منصبی ہے، قوم میں ہل چل پیدا کر دی۔

انبیاء و رسل کے انفرادی اذکار کے علاوہ ان کے اور ان کی صالح ذریت کے اجتماعی تذکرے بھی قرآن مجید میں موجود ہیں مگر ہر جگہ محبت و مودّت اور رحمت و رافت کا بیان جاری و ساری ہے۔ پیشِ نظر رہے کہ ان تمام تر فضائل کے باوجود جن کا تفصیلی ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا، اللہ تعالیٰ نے یہ تنبیہ جاری فرما دی:

﴿وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ○ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○﴾

''یہ تھے وہ دلائل اور نشانیاں جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلے میں عطا کیں۔ ہم جسے چاہتے ہیں، بلند مرتبے عطا کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ تمھارا رب نہایت دانا اور علیم ہے۔ پھر ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب عطا کیے اور ہر ایک کو راہِ راست سُجھائی۔ (وہی راہِ راست جو) اس سے پہلے نوح کو دکھائی تھی۔ اور اسی کی نسل سے ہم نے داود، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو ہدایت

بخشی۔ اس طرح ہم نیکو کاروں کو اُن کی نیکی کا بدلہ دیتے ہیں۔ (اسی کی اولاد سے) زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو (راہ یاب کیا)، وہ سب کے سب صالحین تھے۔ اور اسماعیل، یسع، یونس اور لوط کو بھی (راستہ دکھایا)، ان میں سے ہر ایک کو ہم نے تمام دنیا والوں پر فضیلت عطا کی، نیز ان کے آباء و اجداد اور ان کی اولاد اور بھائی بندوں میں سے بہتوں کو ہم نے نوازا، انھیں (تبلیغِ توحید کے لیے) منتخب کر لیا اور راہِ راست کی طرف ان کی رہنمائی کی۔ یہ اللہ کی (طرف سے) ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے، رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن اگر کہیں ان (برگزیدہ) لوگوں نے بھی شرک کیا ہوتا تو ان کا بھی سب کِیا کرایا غارت ہو جاتا۔''[1]

پس یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی:

فضائل لاکھ تھے پر ہر نبی اللہ کا بندہ تھا
شرف بے حد مگر اللہ کے آگے سرفگندہ تھا

---

[1] الأنعام 6:83-88.

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب اپنے بیٹے اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی معیت میں ابوالانبیاء آدم علیہ السلام کے ہاتھوں روئے زمین پر تعمیر کیے گئے قبلۂ اول، یعنی خانہ کعبہ کی بنیادیں از سرنو اٹھا رہے تھے تو دونوں باپ بیٹا اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا بھی کرتے جارہے تھے:

انھیں میں سے مقرر کردے ان لوگوں میں اے داور!
وہ مرسل جو سنائے ان کو تیری آیتیں پڑھ کر
سکھائے جو سبق ان کو کتابِ پاک و حکمت کا
اور ان سب کو بنا دے وہ بہ ہر عنوان پاکیزہ

یہ دعا عند اللہ مستجاب ہوئی اور منزّل من اللہ آسمانی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کی بعثت کی خوش خبریاں نازل ہونے لگیں:

لکھا پاتے ہیں سرتاسر خود اپنے پاس ہی وہ تو
مفصّل طور پر توریت اور انجیل دونوں میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کی آمد

کی نوید سنائی:

جب اسرائیلیوں سے ابن مریم نے یہ فرمایا
کہ آیا ہوں تمھارے پاس میں رب کا فرستادہ
میں ہوں مژدہ رساں اس مرسلِ برحق کی آمد کا
جو میرے بعد اس معمورے میں تشریف لائے گا
کِیا جائے گا وہ موسوم اسمِ پاکِ "احمدؐ" سے

نبی آخر الزماں ﷺ سے قبل جہاں کا منظر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے مابین تقریباً پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اس دوران میں بمصداق شاعرِ ملتِ اسلامیہ علامہ محمد اقبالؔ:

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر کہیں معبود شجر

غرضیکہ کائنات کی ہر شے پرستش کے لائق سمجھی جاتی تھی۔ اگر نہیں تھی تو صرف اللہ کی ذاتِ واحد خالص پوجا کے قابل نہیں سمجھی جاتی تھی۔ ساری دنیا میں اصل کارفرمائی مظاہر کی تھی اور دلیل یہ تھی کہ ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ ''ہم انھیں صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے زیادہ قریب کر دیں۔''[1] یہی وہ تاریک دور تھا جس میں سنت اللہ، یعنی رب کا قانون حرکت میں آیا اور آفتابِ ہدایت شرک و جہالت کی تاریکیوں کو فنا کرنے کے لیے بُرجِ سعادت سے نمودار ہوا۔

اسی سہانے سماں کی منظر کشی شاعر نے نثر میں کچھ یوں کی ہے:

اے صبحِ صادق کے پنچھی! اے طائرِ خوش الحان!

اے شاعرِ روز و شب! خوابِ گراں سے بیدار ہو جا

---

[1] الزمر3:39.

دیکھ کہ بحرِ احمر کی مضطرب موجوں سے عرب کا آفتابِ زرفشاں طلوع ہو رہا ہے۔
عمیق تاریکی کا سینہ چاک کر کے بلند منارے سے مؤذن کی صدائے ''اللہ اکبر''
بہتی چلی آ رہی ہے
اس آواز کو سن کر
اسپِ تازی کے پاؤں زمین پہ نہیں ٹھہرتے
وہ آسمان سے باتیں کرنے کے لیے بے چین ہے
صحرا کے لوگ اونٹنیوں پر سوار، آبِ زمزم سے تشنگی بجھانے بھاگے جا رہے ہیں
ریگ زار نے آج واقعی سمندر کا روپ دھار لیا ہے
گویا پرانا سورج اس دن لاج کے مارے طلوع نہ ہُوا
کیونکہ ''آفتابِ صحرا'' کی خیرہ کُن روشنی نے ذرے ذرے کو ڈھانپ لیا ہے
ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اَماوَس کی رات میں ''ہلال'' نکل آیا ہے
ساری کدورتیں دُھل گئی ہیں، محبت و وارفتگی کا چراغ جل رہا ہے
یہ دن کتنا عظیم ہے!
زمین نے اس دن ایک نیا نام سنا
محمد............محمد............ﷺ
جس کی بشارت توریت اور انجیل نے دی تھی
جو ابراہیم علیہ السلام کی دعا، عیسیٰ علیہ السلام نے اسی کی بشارت دی تھی
اس نام میں کیسی مٹھاس، کیسا رَس، کیسی کشش ہے!
بوئے گُل، نغمۂ بلبل اور بادِ صبا نے
پہلی بار دنیا کو یہ مژدہ سنایا

دیکھو! اندھیرے کو چیر کر ''آفتابِ عرب'' طلوع ہو گیا ہے
وہ دیکھو!............محمد ......محمد............ ﷺ [1]

چنانچہ عام الفیل 9 [2] ربیع الاول بمطابق 20 اپریل 571 عیسوی سوموار کی صبح، وہ صبح سعادت تھی جب تہذیب و تمدن سے محروم بے آب و گیاہ، بے برگ و بار سرزمین مکہ نے قبیلۂ قریش کی ایک شاخ بنو ہاشم میں جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کے یہاں بی بی آمنہ بنت وہب کی کوکھِ معلّی سے آفتاب رسالت حضرت محمد ﷺ طلوع ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان عظیم قرار دیا۔

آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے آپ ﷺ کا نام نامی ''احمد'' رکھا جبکہ آپ کے دادا جناب عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا اسم گرامی ''محمد'' ﷺ تجویز کیا۔ آپ کے اسمائے مبارک محض رسمی نہیں کہ والدین نے جو چاہا، نام رکھ دیا اور احباب و اصحاب نے جس صفت سے چاہا، ملقب کر دیا بلکہ آپ ﷺ اسم با مسمّٰی ہیں، چنانچہ ''محمد'' ﷺ اس ہستی کو کہتے ہیں جس کے تذکرے ہمیشہ خوبی و نیک گوئی کے ساتھ ہوں اور ''احمد'' کا اطلاق اس ذات پر ہوتا ہے جو سب سے زیادہ حمدِ الٰہی کے لیے نوا سنج ہو۔ یہ ذاتِ اقدس کی کامل عبدیت اور کمال انسانیت کو ظاہر کرتا ہے، پس آپ ﷺ کا نام ''احمد'' اور ''محمد'' ﷺ ہے

---

[1] ''آفتاب صحرا'' منظوم ترجمہ از قاضی نذر الاسلام۔

[2] تمام ارباب تاریخ و سِیَر کا تین باتوں پر کلی اتفاق ہے۔ ایک یہ کہ ولادت کا سال ''عام الفیل'' تھا۔ دوسری یہ کہ آپ کی ولادت ماہِ مبارک ربیع الاول میں ہوئی اور تیسری بات یہ کہ ولادت باسعادت دوشنبہ (یعنی سوموار) کے دن ہوئی۔ لیکن ربیع الاول کی تاریخ میں اختلاف ہے، تاہم قسطنطنیہ کے مشہور ہیئت دان و منجّم نے کسوف و خسوف اور تقویم کا زائچہ مرتب کر کے پوری تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ ''عام الفیل'' کے ساتھ ربیع الاول میں کوئی سوموار کا دن 12 ربیع الاول کو آتا ہی نہیں، لہٰذا 9 ربیع الاول بروز سوموار ہی مستند تاریخ ولادت ہے۔ رحمة للعالمین، ص: 47.

اور مقام، ''مقام محمود'' ہے۔ یہ تو آپ ﷺ کے ذاتی اسمائے گرامی ہیں مگر آپ کے صفاتی نام بھی بہت سے ہیں جن میں سے قرآن مجید میں مذکور چند ایک حسب ذیل ہیں:

- الشاهد — ''گواہی دینے والا''
- البشير — ''خوش خبری دینے والا''
- النذير المبين — ''کھلے بندوں خبردار کرنے والا''
- الداعي إلى الله — ''اللہ کی طرف دعوت دینے والا''
- السراج المنير — ''روشن چراغ''
- المذكر — ''یاددہانی کرانے والا، ناصح''
- الرحمة — ''اللہ کی رحمت''
- الهادي — ''رہنمائی کرنے والا''
- الشهيد — ''(انبیاء وامم کا) سب سے بڑا گواہ''
- الأمين — ''نہایت امانت دار''
- رؤف — ''نرمی کرنے والا''
- رحيم — ''مہربان''
- المزمل — ''چادر اوڑھنے والا''
- المدثر — ''کملی اوڑھنے والا''

بلاشبہ آپ ﷺ حق پرست انسانوں کے لیے ''مبشر و بشیر''، فتنہ جُو، مفسدوں، کافروں اور مشرکوں کے لیے ''منذر و نذیر''، روز قیامت صادق و کاذب پر ''شاہد، شہید، چشمِ حق بین'' اور گوشِ ہوش و نیوشِیدہ کے لیے ''ناصح''، راہِ حق سے بھٹکے ہوؤں کے لیے سرچشمہ ہدایت اور اللہ سے بھاگے ہوؤں کو اللہ کی طرف بلانے والے ہیں۔

آپ ﷺ کا وجود کائناتِ عالم کے لیے رحمت اور نظامِ کائنات کے لیے نعمت ہے۔ آپ ﷺ جہل و شرک کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں کے لیے روشنی کی علامت اور پیغام الٰہی کے لیے نبی اور رسول ہیں۔ مصائب و آلام میں امت کے لیے عزیز اور نوعِ انسانی کے ہر گوشہ حیات کے لیے رؤف و رحیم ہیں۔ آپ ﷺ کی صدا، صدائے حق ہے۔ اور آپ ﷺ کی ذات، الصادق المصدوق اور امین ہے۔ آپ ﷺ نبی آخر الزماں اور خاتم النبیّین ہیں۔ آپ ﷺ اقوام عالم کے ادیان و مذاہب کی سلطانی کے باوجود بندۂ کملی پوش ہیں، اس لیے مزمل و مدثر ہیں۔ اور بایں ہمہ حسن کمالات إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ اور قَامَ عَبْدُ اللهِ کی سچی اور سُچی تصویر ہیں:

یہ کہہ دیجے کہ میں تو ہوں تمھاری ہی طرح انساں
مگر ہاں یہ کہ مجھ پر وحی آتی ہے بہ ایں عنواں
کہ تم لوگوں کا معبود ایک ہی ''معبودِ برحق'' ہے
لہٰذا آرزو ہو جس کو اپنے رب سے ملنے کی
تو اس کو چاہیے کرتا رہے دنیا میں وہ نیکی
اور اپنے رب کی طاعت میں وہ مخفی یا علانیہّ
نہ ٹھہرائے کسی کو بھی کسی معنیٰ شریک اُس کا

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ فضیلت بھی عطا فرمائی کہ آپ ﷺ تمام امتِ دعوت واجابت کی بھلائی و عافیت کے خواہاں ہیں اور اہل ایمان کی کلفت و مصیبت آپ ﷺ پر حد درجہ شاق ہے، چنانچہ آپ ﷺ ان کے لیے سراپا رحمت و رافت ہیں:

تمھارے پاس آیا ہے وہ عالی شان پیغمبر
تمھاری نوع میں سے ہی بہ فیضِ حضرتِ داور

کہ جس پر شاق ہے بے حد تمھارا رنج اور نقصاں
تمھاری بہتری کا ہے بہ ہر عنوان جو خواہاں
خصوصاً مومنوں پر تو شفیق و مہرباں ہے وہ
اگر باوصف اس کے آپ سے یہ لوگ پھر جائیں
تو بس آپ اے نبی! ان سے یہ بالاعلان فرما دیں
کہ میرے واسطے تو وہ اِلٰہِ پاک ہے کافی
نہیں جس کے سوا معبودِ برحق دوسرا کوئی
بھروسا کر لیا ہے میں نے اس کی ذات پر پورا
وہ مولا موجد و مختار ہے جو عرشِ اعظم کا

بعثت سے قبل ہی آپ ﷺ کو ''صادق'' اور ''امین'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف نبوت و رسالت سے نوازا، نیز اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ فضیلت بھی عطا فرمائی کہ ایک رات اسی کعبۃ اللہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے ساتوں آسمانوں تک کی سیر کرائی:

منزّہ ذات ہے، بندہ کو اپنے جس نے پہنچایا
شباشب مسجدِ کعبہ سے تا معمورۂ اقصیٰ
رکھی ہیں جس کے گرداگرد اپنی برکتیں ہم نے
دکھائیں تا کہ ہم ان کو عجائب اپنی قدرت کے

ربّ العالمین کی ربوبیت کاملہ نے کائنات ہست وبود میں قانونِ ارتقا کو جس طرح جاری وساری کیا ہے اس کا تقاضا تھا کہ پیغام حق کا جو سلسلہ نبوت ورسالت بذریعۂ

وحیِ الٰہی تمام عالم کی رشد و ہدایت کے لیے عطا ہوا ہے، وہ حدِ کمال کو پہنچ جائے، چنانچہ ایک طرف تو یہ اعلان کر دیا گیا:

تمھارے دین کو بس آج کامل کر دیا میں نے
تمھارا دامن اپنی نعمتوں سے بھر دیا میں نے
کیا میں نے پسند اسلام ہی کو دین تم سب کا

اور دوسری طرف وحیِ الٰہی کے ہمیشہ ہمیش منقطع ہو جانے پر پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کو ختمِ نبوت اور آخری نبی ہونے کا تاج پہنا دیا گیا:

محمد تو کسی بھی مرد کے تم میں نہیں ہیں اَب
مگر ہاں وہ تو ختم الانبیا ہیں اور رسولِ رب

چنانچہ مزید یہ فرما دیا گیا:

جہاں میں جس نے بھی تعمیل کی حکمِ پیمبر کی
تو اس نے اصل میں تعمیل کی فرمانِ داور کی

اس طرح یہ واضح فرما دیا گیا کہ صرف حضرت محمد ﷺ کی ذات ہی وہ ہستی ہے جس کا فرمان بلا حیل و حجت تسلیم کیا جائے گا اور کسی دوسرے کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ اُس کی بات بلا دلیل مانی جائے یا اس کی ''تقلید'' محض کی جائے۔

چونکہ انسانوں میں سے صرف آپ ﷺ کو مُطاع بنایا گیا ہے جس کی اطاعتِ کُلی مطلوب ہے، لہٰذا آپ کی توقیر و تعظیم اور محبتِ قلبی بھی لازم قرار دی گئی ہے، چنانچہ آپ کا والہ و شیدا ہونے کی ترغیب و تشویق یوں دلائی گئی:

مسلمانو! بہ وقتِ گفتگو اپنی صداؤں کو
رسول اللہ کی آواز سے اونچا نہ ہونے دو
اور ان سے کھل کے ہرگز مت کرو اس طور سے باتیں
کہ جیسے بولتے ہو بے تکلّف اپنے آپس میں
کہیں برباد ہوجائیں نہ تم سب کے عمل سارے
اور اس کی تم کو بالکل ہی خبر ہونے نہیں پائے

چنانچہ آپ ﷺ کا ذاتی نام لے کر، یعنی ''یا محمد! یا محمد!'' کہہ کر آپ ﷺ کو پکارنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے ''بے وقوف اور ادب سے نا آشنا'' قرار دیتے ہوئے سورۂ حجرات میں ارشاد فرمایا ہے:

پکارا کرتے ہیں جو آپ کو حجروں کے باہر سے
ادب نا آشنا ہیں بیشتر افراد ان میں سے

ان آیاتِ بیّنات کے علاوہ قرآن حکیم کی جن آیات میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کی تعریف وتوصیف اور انعام واکرام مذکور ہیں، وہ حسبِ ذیل ہیں:

وہ ذاتِ پاک بھیجا جس نے اس مقصد سے سرتاسر
نبی کو اپنے سامانِ ہدیٰ اور دینِ حق دے کر
کہ وہ اس دین کو غالب بنا دے سارے دینوں پر
اگرچہ اہلِ شرک اس بات سے ہوں ناخوش و مضطر
نبی تو مومنوں کو ان کی جانوں سے بھی ہیں بڑھ کر
اور ان کی محترم ازواج ان لوگوں کی ہیں مادر

کسی مومن کو یا کہ مومنہ کو یہ نہیں زیبا
کہ کوئی حکم دے جب اس کو مولا یا رسول اس کا
تو رکھے وہ مجالِ اختیار اس میں کوئی خود بھی
اور ایسا شخص ، کر گزرے گا جو تقصیرِ بے حکمی
جنابِ کبریا میں بھی، حضورِ مصطفےٰ میں بھی
تو بے شک پڑ گیا وہ صاف گمراہی میں بالکل ہی

نبی ﷺ کی بعثت دراصل نوع انسانی کے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مہربانی تھی، اس لیے ایک تو آپ کو ﴿فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ﴾ یعنی درشتی کے بجائے ﴿لِنتَ لَهُمْ﴾[1] یعنی انتہائی نرم خوئی کی صفت کے ساتھ تمام انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا جیسا کہ بیان ہوا:

کِیا ہے آپ کو مبعوث ہم نے سارے لوگوں پر
بشارت اور نذارت کا عروجِ مرتبت دے کر

اور آپ ﷺ نے غفلت میں پڑی ہوئی دنیا کو چونکا کر حق و باطل کا فرق واضح کر دیا، یوں عالمِ انسانیت کو تباہی سے بچا لیا، لہٰذا آپ کو رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا۔

کِیا ہے ہم نے مبعوث آپ کو رحمت بنا کر ہی
بلاشک سب جہانوں کے لیے روزِ قیامت تک

اور اب وہ مقام آتا ہے جسے ذروۃ السنام یعنی کوہان کی چوٹی، معراج اور بالائے بام (Climax) کہا جاتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جو مخلوقات میں سے آپ ہی کا خاصہ

[1] آل عمرٰن 3:159۔

ہے، یعنی:

نبی پر بھیجتے ہیں رحمتیں مولائے ہستی کی
یقیناً خود اِلٰہ بھی اور تمام اس کے فرشتے بھی

تو اے ایمان والو! ہر گھڑی بھیجا کرو تم سب
بہ روحِ پاکِ احمد، رحمتِ حق اور سلامِ رب

ان تمام تر کمالات و مناقب کے باوجود سید الانبیاء، اشرف الانبیاء، حبیب کبریا ﷺ کے لیے بھی وہی تنبیہ ہے جو تمام سابق انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے لیے تھی، یعنی:

﴿ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ﴾[1]

یقیناً آپ پر اور آپ سے پہلے رسل پر بھی
ز راہِ وَحیِ حق تنبیہ فرما دی گئی اس کی

کہ "اے عبد اللہ! گر مرتکب تُو شرک کا ہو گا
تو غارت ہو کے رہ جائے گا بے شک ہر عمل تیرا

---

[1] الزمر 39:81.

سورج ہیں ''حدیثیں ان کی''

زاہد فخری نے کیا خوب کہا ہے:

ہر سیہ رات میں سورج ہیں حدیثیں ان کی
وہ نہ آتے تو زمانے میں اندھیرا ہوتا

قَالَ اللّٰہُ کے بعد آیئے غائر مطالعہ کریں کہ قَالَ الرَّسُولُ میں کس قسم کے اور کیا کیا اقوال منعوت ہیں:

«أَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ»

''میں اولادِ آدم کا سردار ہوں۔''[1]

«أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا»

''میری امت تمام انبیاء سے کثیر ہوگی۔''[2]

«أَنَاأَوَّلُ مَنْ يَّقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ...... فَأَسْتَفْتِحُ، فَيَقُولُ الْخَازِنُ...... بِكَ أُمِرْتُ لَا أَفْتَحُ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ»

''سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھلواؤں گا[3] اور دربانِ جنت کہے گا کہ مجھے یہی حکم ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔''[4]

[1] مسند أحمد: 540/2. [2] صحيح مسلم، حديث: 196. [3] صحيح مسلم ، حديث: 196, 197. [4] مسند أحمد: 136/3.

«أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ...... وَ خُتِمَ بِيَ الرُّسُلُ»

''میں آخری نبی ہوں اور میرے ساتھ ہی رسولوں کی تکمیل ہوگئی۔''[1]

«أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ، جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُورًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ أُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ مِّنْ قَبْلِي، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَّ بُعِثْتُ إِلٰى النَّاسِ عَامَّةً»

''مجھے پانچ خصوصیات دی گئی ہیں: میں ایک ماہ کی مسافت سے رُعب کے ساتھ مدد کیا گیا ہوں۔ میرے لیے تمام روئے زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنا دی گئی ہے۔ میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھا۔ مجھے مقامِ شفاعت عطا کیا گیا ہے۔ اور (مجھ سے پہلے) نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''[2]

«إِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ، فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَ مَغَارِبَهَا، وَ إِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا»

''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹا، میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھ لیے۔ میری امت کی بادشاہت وہاں تک پہنچ جائے گی جس قدر میرے لیے زمین سمیٹی گئی۔''[3]

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 2219. [2] صحيح البخاري، حديث: 335، وصحيح مسلم، حديث: 521. [3] جامع الترمذي، حديث: 2176.

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَجَارَكُمْ، أَنْ لَّا يَدْعُوَ عَلَيْكُمْ نَبِيُّكُمْ فَتَهْلِكُوا جَمِيعًا وَأَنْ لَّا تَجْتَمِعُوا عَلٰى ضَلَالَةٍ»

''اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس چیز سے بچایا ہے کہ تمھارا نبی تم پر بددعا کرے کہ تم سب ہلاک ہوجاؤ اور مزید اس چیز سے بھی بچایا ہے کہ تم سب گمراہی پر جمع ہو جاؤ۔''[1]

«أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ، إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ»

''میں محمد (ﷺ) بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، پس مجھے بہترین خلقت میں پیدا کیا۔''[2]

«سَأُخْبِرُكُمْ بِأَوَّلِ أَمْرِي: دَعْوَةُ إِبْرَاهِيمَ وَ بِشَارَةُ عِيسٰى»

''میں تمھیں اپنی ابتدا کے بارے میں بتاتا ہوں، میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔''[3]

«إِنِّي قَائِلٌ قَوْلًا غَيْرَ فَخْرٍ: إِبْرَاهِيمُ خَلِيلُ اللّٰهِ وَ مُوسٰى صَفِيُّ اللّٰهِ وَ أَنَا حَبِيبُ اللّٰهِ وَ مَعِي لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''میں بغیر فخر کے یہ بات کہتا ہوں کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ صفی اللہ ہیں اور میں حبیب اللہ ہوں، قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔''[4]

«أَنَا أَكْرَمُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ عَلَى اللّٰهِ»

''میں اگلوں اور پچھلوں میں سے اللہ کے نزدیک معزز ترین ہوں۔''[5]

---

① سنن أبي داود، حديث: 4253. ② جامع الترمذي، حديث: 3608. ③ مشكاة المصابيح للألباني، حديث: 5759. ④ جامع الترمذي، حديث: 3615. ⑤ جامع الترمذي، حديث: 3616.

«سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَ مَا الْوَسِيلَةُ؟ قَالَ: أَعْلٰى دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ، لَا يَنَالُهَا إِلَّا رَجُلٌ وَّاحِدٌ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ»

''اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا: وسیلہ جنت کا اعلیٰ درجہ ہے، صرف ایک آدمی ہی اسے حاصل کر سکے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہوں گا۔''[1]

«إِنَّ لِي أَسْمَاءً، أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَ أَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمَيَّ وَأَنَا الْعَاقِبُ وَ الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ»

''میرے کئی ایک نام ہیں۔ میں محمد ﷺ ہوں، احمد ﷺ ہوں اور ماحی ہوں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کفر مٹا دیتا ہے اور میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد نبی نہ ہو۔''[2]

احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے اوصاف یوں بھی بیان کیے گئے ہیں:

❁ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفید روشن رنگ والے تھے۔ آپ ﷺ کا پسینہ موتیوں جیسا تھا۔ جب چلتے تھے تو آگے کی جانب جھکتے ہوئے چلتے تھے۔ میں نے کبھی ریشم اور دیبا کو اس قدر نرم نہیں چھوا جیسا کہ آپ کی ہتھیلیاں نرم تھیں اور میں نے کسی مشک اور عنبر میں اس قدر خوشبو نہیں پائی جس قدر آپ ﷺ کے بدن مبارک سے آتی تھی۔[3]

---

① جامع الترمذي، حديث: 3612. ② جامع الترمذي، حديث: 2840. ③ الشمائل النبوية للترمذي، حديث: 348.

❀ ام سُلَیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ اکثر میرے ہاں تشریف لاتے اور میرے ہاں قیلولہ فرماتے۔ میں آپ کے لیے چمڑے کا بچھونا بچھا دیتی۔ آپ اس پر سوتے۔ آپ کو پسینہ بہت آتا تھا۔ میں آپ کا پسینہ جمع کر لیتی اور خوشبو میں ملا دیتی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے ام سُلَیم! یہ کیا ہے؟'' کہنے لگیں: یہ آپ کا پسینہ ہے۔ ہم اسے خوشبو میں ملا دیتے ہیں اور وہ نہایت عمدہ خوشبو ہے۔ ایک روایت میں ہے: ام سُلَیم نے کہا کہ ہم اپنے بچوں کے لیے اس سے برکت کی امید رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے خوب کیا۔''[1]

❀ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے بڑھ کر خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے چہرۂ مبارک میں آفتاب جاری ہے۔[2]

❀ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کھل کر نہ ہنستے تھے بلکہ مسکراتے تھے۔ جب کوئی آپ کو دیکھتا تو کہتا کہ آپ نے آنکھوں میں سرمہ ڈالا ہوا ہے، حالانکہ آپ نے سرمہ نہیں ڈالا ہوتا تھا۔[3]

❀ کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ مبارک دمکنے لگتا۔ ایسے معلوم ہوتا جیسے آپ کا چہرہ مبارک چاند کا ٹکڑا ہے۔[4]

❀ رسول اللہ ﷺ فحش گو، لعنت کرنے والے اور گالی دینے والے نہ تھے۔ ناراضی کے وقت فرماتے: ''اسے کیا ہے؟ اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔''[5]

❀ اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: نبی ﷺ گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ فرمایا: اپنے گھر کے کام کاج کرتے، جب نماز

---

① صحيح مسلم، حديث : 2331. ② الشمائل النبوية للترمذي، حديث : 3. ③ جامع الترمذي، حديث : 3645. ④ صحيح البخاري، حديث : 6031. ⑤ صحيح البخاري، حديث : 3556.

کا وقت ہوتا، نماز کی طرف نکل جاتے۔

❁ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی دو کاموں میں سے ایک کو پسند کرنے کے متعلق کہا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسان کو پسند فرمایا جب کہ وہ گناہ نہ ہوتا۔

❁ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت اور نوکر کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا مگر جبکہ اللہ کے راستہ میں جہاد کر رہے ہوں۔ آپ کو اگر کبھی کسی کی طرف سے ضرر پہنچا ہے تو آپ نے اس کا انتقام نہیں لیا مگر جبکہ اللہ کی حرمتیں پامال کی جائیں، چنانچہ آپ اللہ کے لیے بدلہ لیتے۔[1]

❁ انس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی عیادت کرتے، جنازہ کے پیچھے چلتے، غلام کی دعوت قبول کر لیتے اور گدھے پر سوار ہو جاتے۔ خیبر کے دن میں نے آپ کو ایک گدھے پر سوار دیکھا جس کی باگ پوست خرما کی تھی۔[2]

❁ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھاری طرح پے در پے باتیں نہ کرتے تھے لیکن آپ کی گفتگو کے کلمے جدا جدا ہوتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھتا، اسے یاد کر لیتا۔[3]

❁ عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو تبسم کرتے نہیں دیکھا۔[4]

❁ خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ زید بن ثابت کے پاس

---

① الشمائل النبوية للترمذي، حديث : 350. ② مشكاة المصابيح، حديث : 5758. ③ مسند أحمد:257/6. ④ جامع الترمذي، حديث:3641.

آئے اور آپ ﷺ کے بارے میں پوچھنے لگے، اس پر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آپ کا پڑوسی تھا۔ جس وقت آپ پر وحی نازل ہوتی، آپ میری طرف پیغام بھیجتے۔ میں آکر آپ کے لیے اسے لکھ دیتا۔ جب ہم دنیا کا ذکر کرتے، آپ بھی دنیا کا ذکر کرتے۔ جب ہم آخرت کا ذکر کرتے، ہمارے ساتھ آپ بھی اس کا ذکر کرتے۔ جب ہم کھانے کا ذکر کرتے، آپ ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے۔ میں یہ سب احوال تمھارے پاس رسول اللہ ﷺ کے بیان کررہا ہوں۔[1]

صحیح بخاری میں آپ ﷺ کے اوصاف بحوالہ ''تورات'' یوں بھی بیان کیے گئے ہیں:

اللہ کی قسم! تورات میں ان کی صفات یوں بیان کی گئی ہیں: ''اے نبی! تم میرے بندے اور میرے رسول ہو۔ میں نے تمھارا نام ''متوکل'' رکھا ہے۔ تم بدخو، سخت گو اور بازاروں میں شور شرابہ کرنے والے نہیں ہو۔ تم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کردیتے اور درگزر کردیتے ہو۔

یہ ہیں نبی ﷺ کے فضائلِ چیدہ اور اوصافِ حمیدہ جو یقیناً بہترین نعت ہیں۔ بقول شاعر:

حسنِ توریت و زبور، انجیل و قرآں کا جمال
شجرۂ حرفِ ''بخاری'' طُرّۂ ''مشکاۃ'' وہ

[1] مشکاۃ المصابیح، حدیث: 5761.

پاسِ مصطفیٰ ﷺ اور توقیر اللہ

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قرآن مجید کے تیس پاروں میں کس قدر شرح و بسط کے ساتھ نبیٔ اکرم ﷺ کا مقام و مرتبہ متعین کیا گیا ہے اور کس طرح آپ کے ادب و احترام اور تعظیم و تکریم کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی گئی ہے اور خبردار کیا گیا ہے کہ سوءِ ادب کی پاداش میں اعمال بھی اکارت ہو سکتے ہیں، چنانچہ قبیلۂ بنو تمیم کے وہ لوگ جو دوپہر کے وقت ملنے آئے جبکہ آپ ﷺ قیلولہ فرما رہے تھے تو آپ کا انتظار کرنے کے بجائے آپ ﷺ کا نام لے لے کر پکارنے لگے ''یا محمد! یا محمد!'' تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ○﴾

''وہ لوگ جو آپ کے حجرے (گھر) کے باہر سے آپ کو آوازیں دیتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔''[1]

یہ آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے، البتہ پہلی امتیں اپنے انبیاء کو نام لے کر پکارتی تھیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ بنو اسرائیل نے کہا:

﴿يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ﴾

''اے موسیٰ! ہم ایک کھانے پر ہرگز قناعت نہیں کر سکتے۔''[2]

اور مسیح علیہ السلام کے حواریوں نے کہا تھا:

---

① الحجرات 4:49. ② البقرۃ 61:2.

﴿يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾

''اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب آسمان سے ہمارے لیے مائدہ (دسترخواں) اتار سکتا ہے؟''①

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو نبی ﷺ کا نام لے کر پکارنے سے منع فرمایا۔ سورۂ نور میں ہے:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾

''جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، پیغمبر کو یوں نہ پکارا کرو۔''②

تفسیر درمنثور میں ہے کہ ابونعیم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت اترنے سے پہلے لوگ نبی ﷺ کو ''یا محمد!'' یا ''اباالقاسم'' کہہ کر پکارتے تھے، اس آیت کے اترنے کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو ''یا نبی اللہ'' اور ''یا رسول اللہ'' کہہ کر پکارنے لگے۔ غور کیجیے کہ شریعت محمدیہ ﷺ میں جیسے توحید کا تصور آخری ارتقائی منازل سے گزرا اور ہر اعتبار سے بے داغ، صاف ستھرا اور جامع ہوگیا اور شرک کی تمام راہوں اور تمام وسائل و ذرائع کو بند کردینے کے لیے وہ تمام اقوال و اعمال جو شرک تک پہنچانے والے ہوسکتے تھے، ناجائز قرار دیے گئے، اسی طرح انبیاء اور اہل اللہ کا ادب بھی آخری ارتقائی منازل سے گزرا۔ بارگاہِ رسالت کے آداب بھی نکھرے، تہذیب و شائستگی اور احترام کی کئی لطافتوں اور باریکیوں کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی گئی۔

اگر اللہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے حبیب کو نام لے کر نہ پکارا جائے تو اس کی یہ مشیت عدل اور انصاف پر مبنی ہے۔ جب وہ خود رب ہوکر انھیں نام لے کر خطاب نہیں کرتا تو بندوں کو کیا حق حاصل ہے کہ انھیں نام لے کر پکاریں۔ اللہ نے قرآن مجید میں تمام انبیاء

① المآئدة 112:5. ② النور 63:24.

کو ان کے ذاتی ناموں سے خطاب کیا:

﴿ يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ﴾

”اے آدم! تو اور تیری بیوی بہشت میں رہو۔“ ①

﴿ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا ﴾

”اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اتر جا۔“ ②

﴿ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ﴾

”اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا۔“ ③

﴿ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّيْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ﴾

”اے موسیٰ! میں ہوں تیرا پروردگار تو اپنی جوتیاں اتار ڈال۔“ ④

﴿ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ ﴾

”اے عیسیٰ! میں دنیا میں تیرے رہنے کی مدت پوری کروں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا۔“ ⑤

﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ ﴾

”اے داود! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنا دیا۔“ ⑥

﴿ يٰزَكَرِيَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ﴾

”اے زکریا! ہم تجھے بشارت دیتے ہیں ایک لڑکے کی، جس کا نام یحییٰ ہے۔“ ⑦

﴿ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ﴾

”اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھامو۔“ ⑧

---

① البقرۃ 35:2. ② ھود 48:11. ③ الصّٰفّٰت 113:37. ④ طٰہٰ 12:20. ⑤ اٰل عمرٰن 55:3.
⑥ صٓ 26:38. ⑦ مریم 7:19. ⑧ مریم 13:19.

قرآن مجید کو بِسْمِ اللّٰہِ سے لے کر وَالنَّاسِ تک پڑھ لیجیے۔ اللہ نے نبی ﷺ کو کہیں بھی ذاتی نام سے خطاب نہیں کیا۔ کہیں ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ﴾ کے خطاب عزت سے نوازا۔ کہیں ﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ کی صدائے محبت سے پکارا اور کہیں ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ کی ندائے شفقت سے سرفراز کیا۔

بات یہ ہے کہ جسے نبی ﷺ کی جتنی معرفت حاصل ہے، وہ اتنا ہی بارگاہِ رسالت میں مؤدب ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ''یا محمد'' کہنے والے مذکورہ اعرابیوں کے برعکس نبیٔ اکرم ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تقویٰ، پرہیز گاری اور شائستگی کی تعریف یوں فرمائی ہے:

نبی کے سامنے آوازیں رکھتے ہیں جو پست اپنی
یہ وہ ہیں جن پہ مولا نے نوازش کی ہے تقویٰ کی
انھیں کے واسطے ہے مغفرت اور اجرِ بے پایاں

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ادب

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو چونکہ نبیٔ اکرم ﷺ کی سب سے زیادہ معرفت حاصل تھی، اس لیے وہ سب سے زیادہ مقامِ مصطفیٰ کے شناسا تھے۔ ذرا ان کا ادب ملاحظہ فرمائیے:

صحیح بخاری میں سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی ﷺ قبیلۂ بنوعمرو بن عوف میں مصالحت کی غرض سے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو مؤذن نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھ کر اقامت کہی اور انھوں نے امامت کی۔ نماز کے دوران میں نبی ﷺ واپس تشریف لے آئے اور صف میں کھڑے ہوگئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کرنے کے لیے نمازیوں نے دستک دی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے گوشۂ چشم

سے دیکھا کہ نبی ﷺ کھڑے ہیں۔ نبی ﷺ نے اشارے سے فرمایا: اپنی جگہ کھڑے رہو۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے یہ بات ممکن نہ پائی کہ وہ امامت کریں اور رسول اللہ ﷺ مقتدی ہوں۔ آپ پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے اور نبی ﷺ کو آگے ہونا پڑا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

''اے ابوبکر! جب میں نے تمھیں حکم دیا تھا تو اپنی جگہ پر کھڑا رہنے سے تمھیں کس چیز نے باز رکھا؟''

عرض کیا:

«مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُّصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ»

''ابو قحافہ کے بیٹے کے لیے یہ زیبا نہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھائے۔''[1]

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ادب

صلح حدیبیہ کی جو شرائط کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان ٹھہری تھیں، بظاہر مسلمانوں کے لیے اہانت آمیز تھیں، چنانچہ تحریرِ معاہدہ سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بے چین ہو کر نبی ﷺ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے: کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: یقیناً ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر ہم یہ ذلت آمیز شرائط کیوں قبول کریں؟

نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا پیغمبر ہوں۔ میں اس کے حکم سے سرتابی نہیں کروں گا اور وہ ہرگز مجھے ضائع نہیں کرے گا۔''

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 684.

گو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات از راہِ تحیر کی تھی اور اس میں سوءِ ادب کا کوئی شائبہ نہ تھا مگر لب و لہجہ اس ادب و تعظیم سے ہٹ گیا تھا جس کے وہ عادی تھے۔ زندگی بھر ڈرتے رہے کہ کہیں بارگاہِ رسالت میں سوءِ ادب نہ ہوگیا ہو۔ اس کی تلافی کے لیے صدقہ و خیرات کرتے رہے اور نوافل پڑھتے تھے۔ خود فرمایا کرتے تھے۔ عَمِلْتُ لَهَا أَعْمَالًا. ''میں نے اس کی تلافی کے لیے کئی نیکیاں کیں۔''[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ادب

نبی ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش کی طرف صلح حدیبیہ میں سفارت کے لیے بھیجا تو قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو طواف کرنے کی اجازت دی لیکن آپ نے طواف کرنے سے انکار کر دیا۔

اور فرمایا:

«مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ حَتّٰى يَطُوفَ رَسُولُ اللّٰهِ»

''جب تک نبی ﷺ طواف نہ کریں، میرے لیے زیبا نہیں کہ میں طواف کروں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ادب

صحیح مسلم میں براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ لکھا تو اس میں یہ عبارت بھی تھی:

«هٰذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ»

مشرکوں نے کہا کہ لفظ رسول اللہ نہ لکھو۔ اگر رسالت کے ہم قائل ہوتے تو جھگڑا کس بات کا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس لفظ کو مٹا دو۔'' حضرت علی نے عرض کیا:

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 2731، 2732.

«مَا كَانَ لِي أَنْ أَمْحُوَ هٰذَا»

''مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ میں اس لفظ کو مٹاؤں۔''

پھر نبی ﷺ نے خود اس لفظ کو مٹا دیا۔[1]

دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ادب

عروہ بن مسعود کو جب قریش نے صلح حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تو اس نے دیکھا کہ صحابہ نبی ﷺ کی کس قدر تعظیم کرتے ہیں۔ اس نے یہ منظر دیکھا: ''نبی ﷺ جب بھی وضو فرماتے، صحابہ ان کے وضو کے پانی کی طرف لپکتے اور اسے اپنے بدن پر ملتے تھے۔''

عروہ بن مسعود نے قریش سے جا کر کہا:

''اے قریش کے لوگو! میں نے قیصرو کسریٰ اور نجاشی کے دربار بھی دیکھے ہیں۔ اللہ کی قسم! کسی بادشاہ کی بھی ایسی تعظیم بجا نہیں لائی جاتی جیسی محمد (ﷺ) کے ساتھی ان کی تعظیم بجا لاتے ہیں۔''

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ جذب القلوب میں لکھتے ہیں:

امام مالک رحمہ اللہ مدینہ طیبہ میں اپنے گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔ فرماتے تھے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس زمین کو گھوڑے کے سموں سے پامال کروں جسے رسول اللہ ﷺ کے مبارک قدموں نے چھوا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ مدینہ منورہ کی حدود شروع ہوتے ہی جوتا اتار لیتے تھے اور اپنے وقت کے امام، عظیم محدث اور فقیہ ننگے پاؤں مدینے کی سرزمین پر چلتے

---

[1] صحيح مسلم، حديث: 1783.

تھے کہ مبادا جس جگہ نبی اکرم ﷺ نے قدم رکھے ہوں، وہاں وہ اپنی جوتیاں رکھ دیں۔

ادب کی یہ کیفیات حاصل نہیں ہوسکتیں جب تک آپ ﷺ کی ذات کی معرفت حاصل نہ ہو، جب تک یہ معرفت حاصل نہ ہو کہ وہ تاریخِ انسانیت کے مرکز ومحور ہیں اور ازل سے لے کر آج تک جتنی مخلوق پیدا ہوئی ہے اور آج سے لے کر ابد تک جتنی مخلوق پیدا ہونے والی ہے، ان میں سے کوئی بھی نہیں جو اُن کی برابری کر سکے۔ رسولِ کریم ﷺ کا سب سے بڑا ادب آپ ﷺ کی اطاعت کا نام ہے، ان کے ہر حکم کے سامنے گردن جھکا دینا ہے اور چون و چرا کیے بغیر اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ ہر وہ شخص جو ان کے نام پر لرزتا اور آنسو بہاتا ہے مگر ان کی اتباع اور ان کی اطاعت سے گریزاں ہے، حقیقی ادب سے محروم ہے۔

نبی ﷺ کا یومِ ولادت جب بھی آتا ہے، ہم اگربتیاں سلگاتے ہیں، جھنڈیاں لگاتے ہیں، روشنیوں سے ہر شہر کو بقعۂ نور بنا دیتے ہیں مگر ان کے ہر حکم کو ہم نے ٹھکرا دیا ہے۔ شراب ملک میں درآمد بھی ہوتی ہے، کشید بھی ہوتی ہے اور فروخت بھی ہوتی ہے۔ سود[1] ملک کے تمام کاروبار میں سرایت کر گیا۔ چکلے[2] آج بھی ویسے ہی آباد ہو گئے ہیں جیسے آج سے ساٹھ برس پہلے انگریز کے دورِ حکومت میں آباد تھے۔ نماز سرکاری طور پر ہم آج تک قائم نہ کر سکے۔ زکاۃ کا اجتماعی نظام قائم کرنے کے لیے ہم نے آج تک کوئی قابلِ ذکر اقدام نہ کیا۔ ہم طبلے کی تھاپ پر تالیاں پیٹتے ہوئے نہایت بے ادبی اور گستاخی کے ساتھ یا محمد یا محمد کا شور مچا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے عقیدت کا حق ادا کر دیا مگر ہمارا یہ فعل نبیٔ مدنی ﷺ پہ نازل ہونے والی وحی سے پیہم ٹکرا رہا ہے۔

---

[1] یہاں تک کہ وفاقی شرعی عدالت کے حُرمتِ سود کے متفقہ فیصلہ کو بھی نظرِ ثانی کے نام پر منسوخ کر دیا گیا ہے۔

[2] حدود آرڈیننس میں ترمیم کر کے بازارِ حسن کی راہ ہموار کر دی گئی ہے۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝﴾

’’جو لوگ اللہ کی نازل کردہ وحی پر فیصلے نہیں کرتے، یہی لوگ کافر ہیں۔‘‘[1]

﴿... هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝﴾

’’یہی لوگ ظالم ہیں۔‘‘[2]

﴿... هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝﴾

’’یہی لوگ فاسق ہیں۔‘‘[3]

یعنی وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے سرکش ہو گئے ہیں۔

یہ سمجھنا فاش غلطی ہے کہ بارگاہِ رسالت کے جو آداب قرآن مجید میں بتائے گئے ہیں، وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے لیے تھے اور نبی ﷺ کی مجلس ہی کے ساتھ مخصوص تھے۔ نہ نبی ﷺ کی مجلس رہی نہ صحابہ رہے تو کیا ان آیات کی حیثیت محض تاریخی رہ گئی ہے؟

آج بھی رسول اللہ ﷺ کا نام لیتے ہوئے، حدیث شریف پڑھتے ہوئے، مسجد نبوی میں حاضر ہوتے ہوئے نبی ﷺ کے ادب کو ویسا ہی ملحوظ رکھنا چاہیے۔

ادب کا یہ پہلو بھی پیشِ نظر رہے کہ بعض لوگ انبیاء اور صلحاء کا احترام تو ملحوظ رکھتے ہیں اور زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکالتے جس سے ان کی تعظیم میں کوئی فرق آئے یا جس سے ان کی توہین کا کوئی پہلو نکلتا ہو لیکن اللہ عزوجل کے بارے میں ان کی زبانیں بے لگام ہوتی ہیں۔ یہ بھی ایک شیطانی وسوسہ ہے کہ اللہ کو جو جی میں آئے کہہ لو مگر نبیٔ کریم ﷺ کی شان میں گستاخی نہ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی ﷺ کی شان میں گستاخی موجبِ حرماں ہے لیکن بارگاہِ الٰہی کے آداب کو ملحوظ نہ رکھنا بھی صریحاً گمراہی ہے۔

---

① المآئدة5:44. ② المآئدة5:45. ③ المآئدة5:47.

انبیاء کو دیکھیے کہ بارگاہِ الٰہی میں کس قدر مؤدب تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

﴿اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝﴾

''وہ جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میرا ہادی ہے۔ وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔''[1]

غور کیجیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تخلیق کو اللہ کی طرف منسوب کیا، اپنی ہدایت کو اسی کی طرف منسوب کیا، کھلانے اور پلانے کو اسی کی طرف منسوب کیا، شفا کو بھی اسی کی طرف منسوب کیا لیکن جب بیماری کا ذکر کیا تو یہ نہیں کہا کہ جب ''وہ'' بیمار کرتا ہے بلکہ یوں کہا: جب ''میں'' بیمار پڑ جاتا ہوں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا ادب ملاحظہ کیجیے۔ حضرت مسیح سے جب اللہ پوچھے گا:

﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾

''کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود ٹھہرا لو؟''

تو عرض کریں گے:

﴿اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝﴾

''اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو آپ کو اس کا علم ہوتا۔ آپ تو میرے جی کا سب حال جانتے ہیں اور مجھے آپ کے جی کی کوئی بات معلوم نہیں۔ یقیناً آپ سب پوشیدہ باتوں سے آگاہ ہیں۔''[2]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہنی تو یہی بات تھی کہ ''نہیں میں نے یہ بات نہیں کہی'' لیکن احترامِ

① الشعرآء 26:78-80۔ ② المآئدۃ 5:116۔

بارگاہِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ اسلوب میں شائستگی ہو اور بات کو نہیں نہیں، سے شروع نہ کیا جائے، پھر اللہ کے حضور میں ان کی سفارش کی تو یہ نہیں کہا: لَا تُعَذِّبْهُمْ "انھیں عذاب نہ دیجیے" بلکہ یوں کہا:

﴿ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾

یعنی اگر آپ انھیں عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور آپ کا حق ہے کہ نافرمانیوں پر انھیں سزا دیں۔ اور اگر آپ انھیں بخش دیں تو آپ غالب و دانا ہیں، یعنی کسی عجز کی بنا پر نہیں بلکہ انتقام کی قدرت رکھتے ہوئے انھیں بخش دیں اور آپ کی صفت کا تقاضا ہے کہ آپ انھیں معاف فرما دیں۔[1]

نبیِ اکرم ﷺ جو اللہ تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھتے تھے۔ وہ انھی کے مقامِ ارفع و اعلیٰ کے مطابق اور انھی کی شان کے شایاں تھا۔

حافظ ابن قیم مدارج السالکین میں لکھتے ہیں کہ بارگاہِ الٰہی میں نبی ﷺ کے اس ادب ہی کے باعث آپ کا معراج تمام انبیاء سے اتم و اکمل ہوا اور وہ قرب کے اس مقام پر پہنچے جہاں کوئی نبی اور ولی نہیں پہنچ سکا، پس بارگاہِ الٰہی کا ادب نبی ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی سے سیکھیے۔

---

[1] المآئدة 118:5۔

نعت گوئی اور شرک

شاعر ''نعت گوئی'' کے منصب سے صحیح طور پر اس وقت ہی عہدہ برآ ہوسکتا ہے جب وہ توحید و رسالت اور الوہیت ونبوت کے نازک رشتوں کو پوری طرح سمجھتا ہو اور اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حفظِ مراتب اور حدِ فاصل کا کامل شعور اور احساس ہو۔

جبکہ عموماً نعت گو شعراء نبیٔ مکرم ﷺ سے نالہ وفریاد کرنے لگتے ہیں، حالانکہ استمداد، استغاثہ اور استعانت کی دعا صرف اللہ سے ہی کی جاسکتی ہے کیونکہ فریادرس ایسی ہستی ہی ہوسکتی ہے جو رنج وبلا کے دور کرنے پر قادر ہو اور وہ ہستی مخلوق نہیں، خالق ہی ہوسکتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد کی جانی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو ذوالقوۃ المتین ہے اور وہ انسان کے مصائب ومشکلات میں اس کی فریادرسی اور مدد کرتی ہے۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ ہمیں یہی تعلیم ملتی ہے کہ اسی کو پکاریں اور اسی سے فریاد کریں:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾

''اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو انھیں جواب دیں کہ میں ان کے قریب ہی ہوں۔ جب پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔''[1]

﴿قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً﴾

[1] البقرۃ 2:186۔

''اے نبی! ان سے کہیے کہ تمھیں خشکی اور تری کی مصیبتوں سے کون بچاتا ہے جبکہ تم اسے عاجزی سے اور خفیہ طور پر پکارتے ہو؟''[1]

﴿قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝﴾

''کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمھیں ان سے اور دوسرے تمام مصائب سے نجات دلاتا ہے، پھر تم شرک کرتے ہو۔''[2]

دعا کرنے یا مدد کے لیے صرف اللہ کو پکارنے کا حکم قرآن میں بے شمار مقامات پر آیا ہے اور غیر اللہ کو پکارنے پر وعیدیں بھی اسی انداز میں دی گئی ہیں، مثلاً:

﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾

''اسی (اللہ) کو پکارنا برحق ہے اور جو لوگ اسے چھوڑ کر اوروں کو پکارتے ہیں، وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دیتے۔''[3]

بلکہ اس سلسلے میں خود رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ملاحظہ ہو:

«إِنَّهُ مَنْ لَّمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ»

''جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا، اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔''[4]

یعنی جو اللہ کے بجائے دوسروں کو حاجت روا سمجھتا ہے، اس کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کی خفگی کا باعث بن جاتا ہے۔ اس بنا پر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنی مشکلات و مصائب میں پکارے اور اسی سے امداد طلب کرے۔

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ﴾

''کون ہے جو بے قرار کی دعا کو سنتا اور اس کی تکلیف کو دور کر دیتا ہے۔ کیا اللہ

---

① الأنعام 6:63. ② الأنعام 6:64. ③ الرعد 13:14. ④ جامع الترمذي، حديث: 3373.

کے سوا کوئی اور بھی معبود برحق ہے؟''[1]

نعتیہ رجحانات، خیر القرون میں

قرونِ اولیٰ میں ہمیں کوئی نعت ومنقبت یا قصیدہ اس نہج پر دکھائی نہیں دیتا جس میں نبی ﷺ کی وفات کے بعد انھیں کسی نے مدد کے لیے پکارا ہو اور اپنی مشکلات کے حل کے لیے استدعا کی ہو بلکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر اکابر امت کے دو نوحے ہمیں ملتے ہیں جنھیں پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

مَاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ أَحْمَدٍ　　　أَلَّا يَشُمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

''جس نے ایک مرتبہ بھی خاک پائے احمدِ مجتبیٰ سُونگھ لی، تعجب کیا ہے اگر وہ ساری عمر کوئی اور خوشبو نہ سُونگھے۔''

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَّوْ أَنَّهَا　　　صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ عُدْنَ لَيَالِيَا

''نبی ﷺ کی جدائی میں وہ مصیبتیں مجھ پر ٹوٹی ہیں کہ اگر یہ دنوں پر ٹوٹتیں تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔''

أُغْبِرَّ آفَاقُ السَّمَاءِ وَكُوِّرَتْ　　　شَمْسُ النَّهَارِ وَ أَظْلَمَ الْعَصْرَانِ

''آسمان کی پہنائیاں غبار آلود ہو گئیں، دن کا سورج لپیٹ دیا گیا اور زمانہ تاریک ہو گیا۔''

وَالْأَرْضُ مِنْ بَعْدِ النَّبِيِّ كَئِيبَةٌ　　　أَسَفًا عَلَيْهِ كَثِيرَةُ الرَّجْفَانِ

---

[1] النمل 62:27.

''اور زمین نبی کریم ﷺ کے بعد مبتلائے درد ہے اوران کے غم میں سراپا ڈوبی ہوئی ہے۔''

فَلْيُبْكِهِ شَرْقُ الْبِلَادِ وَغَرْبُهَا وَلْيُبْكِهِ مُضَرٌ وَكُلُّ يَمَانِ

''اب آنسو بہائے مشرق بھی اور مغرب بھی اُن کی جُدائی پر اور آنسو بہائے قبیلہ مُضر اور یمن کا ہر شخص۔''

وَلْيُبْكِهِ الطَّودُ الْمُعَظَّمُ جَوْهُ وَالْبَيْتُ ذُوالْأَسْتَارِ وَالْأَرْكَانِ

''آپ کی جدائی پر بڑی قدر و منزلت والا پہاڑ اور پردوں اور رکنوں والا بیت اللہ بھی اشک بار ہو۔''

يَا خَاتِمَ الرُّسُلِ الْمُبَارَكِ ضَوْئُهُ يَافَخَرَ مَنْ طَلَعَتْ لَهُ النِّيْرَانُ

''اے آخری رسول! آپ برکت اور سعادت کی جُوئے فیض ہیں اور فخر تو صرف ان کے لیے ہے جن پر (آپ کی ہدایت کی) روشنیاں چمکیں۔''

صَلّٰى عَلَيْكَ مُنْزِلُ الْقُرْآنِ[1]

''آپ ﷺ پر قرآن نازل کرنے والا درود و سلام بھیجے!''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

يَا عَيْنُ فَأبْكِي وَ لَا تَسْأَمِي وَحُقَّ الْبُكَاءُ عَلَى السَّيِّدِ

''اے آنکھ! تو خوب رو، اب یہ آنسو نہ تھمیں، میرے آقا اس کے لائق ہیں کہ ان پر رویا جائے۔''

---

[1] الشرح الکبیر لابن قدامة: 430/2، وسبل الھدٰی والرشاد: 18/273-287.

عَلٰى خَيْرِ خِنْدِفٍ عِنْدَ الْبَلَاءِ أَمْسٰى يُغَيَّبُ فِي الْمَلْحَدِ

''شدائد وسختیوں کے وقت سب سے جلد پہنچنے والے پر جو فوت ہو کر گوشۂ قبر میں دفن کیا جا رہا ہے۔''

فَصَلَّى الْمَلِيكُ وَلِيُّ الْعِبَادِ وَرَبُّ الْعِبَادِ عَلٰى أَحْمَدِ

''مالک الملک، بادشاہ عالم، بندوں کا والی اور پروردگار، احمد مجتبیٰ پر سلام و رحمت بھیجے۔''

فَكَيْفَ الْحَيَاةُ لِفَقْدِ الْحَبِيبِ وَزَيْنِ الْمُعَاشِرِ فِي الْمَشْهَدِ

''اب کیسی زندگی، جو حبیب ہی بچھڑ گیا اور وہ نہ رہا جو زینت دو عالم تھا۔''

فَلَيْتَ الْمَمَاتَ لَنَا كُلِّنَا فَكُنَّا جَمِيعًا مَعَ الْمُهْتَدِي

''کاش! ہم سب کو موت آ جائے تا کہ ہم سب اس ہدایت والی ذات کے ساتھ مل جائیں۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ بھی بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لکھے ہوئے مرثیے ہیں اور یہ مرثیے اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کو اس طرح زندہ تصور نہیں کرتے تھے کہ آپ سے کچھ طلب کر سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کوئی مدد کر سکیں۔ اگر یہ صورت ہوتی تو ان مرثیوں کی ضرورت نہ تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عالم رنج میں تلوار کھینچ لی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات پا جانے کی نفی کی۔ اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خطبہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس لغزش کی اصلاح اور امت کے لیے عقیدے کی درستی کا بہترین ذریعہ تھا۔ آپ کو بھی

نبی ﷺ کی وفات کا صدمہ اسی طرح تھا جیسے دیگر صحابہ کرام اور محبان و متعلقینِ رسول اللہ کو تھا مگر اس صورت حال کو سنبھالنے کے لیے اور توحید پرست مسلمانوں کو صراط مستقیم پر رکھنے کے لیے آپ نے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ»

''اے لوگو! تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا، وہ جان لے کہ محمد ﷺ فوت ہو گئے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ایسا زندہ ہے جو کبھی نہیں مرتا۔''[1]

اور اس کے بعد قرآن پاک کی وہ مشہور آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ﴾

''اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، پس اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے......۔''[2]

جسے سن کر نہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلکہ دوسرے لوگوں کے بھی شکوک و شبہات زائل ہو گئے۔[3]

نبی کریم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد مانعینِ زکاۃ اور مرتدین کا فتنہ اٹھتا ہے۔ قتل و غارت کا سلسلہ اس میں بھی چلتا ہے مگر کہیں سے کوئی شاعر نبی ﷺ سے اس فتنے کے سدِّ باب کے لیے مدد مانگتا نظر نہیں آتا۔ اس کے بعد فتنے کی صورت میں جنگِ جمل اور جنگِ صفین

---

[1] طبقات ابن سعد: 409/2، بیروت، لبنان۔ [2] آل عمرٰن 3:144۔ [3] صحیح البخاري، حدیث: 1241-1242۔

برپا ہوتی ہیں اور بے شمار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان کی نذر ہو جاتے ہیں۔ مزید آگے چل کر فتنہ وفساد کے سلسلوں میں کربلا کا سانحہ، پھر بنو امیہ کے ابتدائی دور کا طویل عرصہ شکست و ریخت کا منظر پیش کرتا ہے۔ مگر نعت میں ان سانحات کی صدائے بازگشت اس رنگ میں سنائی نہیں دیتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فریاد کی گئی ہو۔

اس سلسلے میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جنگِ جمل وصفین کے وقت حضرت کعب بن زہیر اور حضرت حسّان بن ثابت جیسے عظیم نعت گوشعراء موجود تھے بلکہ حضرت حسّان تو واقعہ کربلا تک بھی ذی حیات تھے مگر ان کے کلام اور خصوصاً نعتیہ قصائد میں اس رنگ کا کوئی شعر موجود نہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگی گئی ہو۔

اس کے بعد ایک عظیم سانحہ ''سقوطِ بغداد'' واقع ہوا جس نے اسلامی سلطنت کا تاروپود بکھیر دیا۔ ایشیا کے شمال مشرق سے تاتاریوں کا طوفان ایک سیلِ بے پناہ کی طرح اٹھا۔ بخارا وسمرقند جیسے اسلامی مرکز اس کے سامنے تنکوں کی طرح بہہ گئے۔ سلجوقی اور خوارزمی سلطنتیں دیکھتے ہی دیکھتے سرنگوں ہو گئیں۔ ترکستان اور ایران تاتاریوں کے تسلط میں چلے گئے۔ ہلاکو نے بغداد پر یلغار کی تو اس زوال آمدہ سلطنت کا بوسیدہ محل زلزلے کے پہلے جھٹکے ہی میں زمیں بوس ہو گیا۔ قتل وخون کا وہ بازار گرم ہوا کہ دجلہ کا پانی کئی دنوں تک سرخ بہتا رہا۔ شہرو دیہات زیروزبر ہو گئے۔ کتب خانے، دارالعلوم اور مساجد ویران ہو گئیں اور پورے عالمِ اسلام کا سکون غارت ہو گیا۔ اس پر سعدیؔ جیسا حساس شاعر اس طرح لب کشا ہوا:

آسماں را حق بود گر خوں بگرید بر زمیں
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المؤمنیں
ای محمد! گر قیامت می برآری سر زخاک

سر برآور ویں قیامت درمیانِ خلق بیں
دیدہ بردار ایکہ دیدی شوکتِ باب الحرم
قیصرانِ روم سر برخاک و خاقانانِ چیں
خونِ فرزندانِ عمِّ مصطفیٰ شد ریختہ
ہم بر آں خاکیکہ سلطاناں نہادندی جبیں

شاعر اس مرثیے میں رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر گزارش کرتا ہے کہ دنیا کے سر پر قیامت گزر گئی ہے۔ نازنینانِ حرم خون میں نہا گئی ہیں۔ آپ نے بیت الحرام کی شان وشوکت دیکھی تھی جہاں قیصر و خاقان بھی زمین پر بیٹھا کرتے تھے مگر آج وہ جگہ جہاں سلطانوں کے سر جھکا کرتے تھے، وہاں مصطفیٰ ﷺ کے چچا زادوں کا خون بہا دیا گیا ہے۔

اس نظم میں شاعر نے تباہی و ہلاکت پر خون کے آنسو بہائے ہیں، البتہ نبی ﷺ سے صرف تخاطب کا انداز اختیار کیا ہے اور کہیں استمداد نہیں کیا بلکہ احتیاط کا دامن تھامے رکھا ہے مگر بعد کے ادوار میں اس موضوع میں عجمی ممالک کے کچھ مقامی رنگ کی آمیزش ہوتی گئی اور بعض شعرائے عجم کے ہاں رسول اللہ ﷺ سے تخاطب کے علاوہ ان سے امداد طلب کرنے کی روایت بھی چل نکلی۔ مولانا جامی (م898ھ) کی نعتوں میں اس قسم کی چیزیں اکثر ملتی ہیں جو قرآن و حدیث کی بنیادی تعلیم سے ہٹی ہوئی ہیں، چنانچہ چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن میں وہ نبی ﷺ سے ابتلا و مصائب کے پیش نظر مدد طلب کرتے ہیں:

نعتیہ اشعار

ای بہ سراپردۂ یثرب بہ خواب　　　خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب
توبہ دہ از سرکشی ایام را　　　باز خر از ناخوشی اسلام را

افسرِ ملک از سرِ دوناں بکش | دامنِ دولت ز زبوناں بکش
خامۂ مفتی کہ چو انگشتِ آز | شد زپے لقمہ ربائیءِ دراز
واعظِ پُرگو کہ بہ پستیست بند | پایۂ خود کردہ ز منبر بلند
صومعہ را قاعدہ تازہ بکُن | رختِ خرابات بند دروازہ کن
بدعتیاں را رہِ سنت نمائے | عزلتیاں را رہِ عزمات نمائے
خرقۂ تزویر بصد پارہ کن | جانِ مزدور زتن آوارہ کن
شعلہ فگن خرمنِ ابلیس را | مہرہ شکن سُبحۂ تلبیس را
ظلمتِ بدعت ہمہ عالم گرفت | بلکہ جہاں جامۂ ماتم گرفت
کاش کُند اوجِ عروجت رجوع | باز کند نورِ جمالت طلوع
دیدۂ عالم بہ تو روشن شود | گلخنِ ہستی بتو گلشن شود

''اے مدینہ میں محوخواب! نیند سے اٹھیے کہ مشرق و مغرب ویران ہو چلے اور میرے ہاتھوں سے نکل چلے، آپ ظلم و زبردستی کا خاتمہ کردیجیے، دنیا کو سرکشی سے توبہ کی ہمت عطا فرمایئے اوراسلام کی تنگی کا دور پسپا کردیجیے۔ حکمران نازونعم اختیار کیے ہوئے ہیں اور کمزوروں کی دولت سے دامن بھر رہے ہیں۔ مفتی کا قلم حرص کی انگلی کی طرح لقمہ کے حصول کے لیے دراز ہوگیا ہے۔ خطیب دیکھنے میں واعظ ہے مگر پستیوں میں بند ہوگیا ہے۔ اپنے رتبے کو منبر سے بلند گردانتا ہے۔ عبادت خانے کی بنیادیں ازسرنوتعمیر فرمایئے اور ویرانیوں کا دروازہ بند کر دیجیے۔ بدعتیوں کو سنت کا راستہ دکھلایئے اور گوشہ نشینوں کو صحیح راہ کی رہنمائی کیجیے۔ مکاری کے لباس کے سوٹکڑے کردیجیے اور محنت کش کی روح کو محض بدن کے تقاضوں سے نجات دیجیے۔ بدعت کی تاریکیوں نے پوری دنیا کو اپنی گرفت

میں لے لیا ہے بلکہ پورے جہان کو ماتم کدہ بنا دیا ہے۔ کاش! آپ کی توجہ کی بلندی سے آپ کے جمال کا نور دوبارہ طلوع ہو جائے۔ دنیا کی نگاہیں آپ کے وجود سے منور ہو جائیں اور دنیا کے کملائے ہوئے پھول دوبارہ چمن کا روپ دھار لیں۔''

مولانا جامی کے علاوہ فارسی میں اکثر شعراء نبی ﷺ سے اس طرح التماس کرتے نظر آتے ہیں کہ ہمیں روضہ مبارک کا شرف عطا فرمایئے اور ہمیں اپنے شہرِ جاں افروز کی خاک آنکھوں سے چومنے کا موقع مرحمت فرمایئے۔ ہم آپ سے دور فراق کی آگ میں جل رہے ہیں۔ غمِ ہجراں سے زندگی دوبھر ہوگئی ہے، اس سے نجات دلایئے۔

اس قسم کے قصائد اور نعتیں اکثر لکھی گئی ہیں جن میں نبی ﷺ سے براہ راست استمداد کیا گیا ہے اور یہ روش آگے چل کر نعت ومنقبت میں عام ہوتی گئی۔

اردو شاعری نے فارسی شاعری کی آغوش میں آنکھ کھولی اور شاعری کے اصول و ضوابط کے ساتھ فکر و خیال میں بھی ارتقائی اور تدریجی انداز میں متاثر ہوئی، چنانچہ حالؔی جیسے توحیدی شاعر نے تو اس حد تک ٹھوکر کھائی کہ تخاطب کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے امت کی بدحالی پر اللہ تعالیٰ کے حضور دست بہ دعا ہونے کی استدعا کر دی، یعنی:

اے خاصۂ خاصانِ رُسُل وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
فریاد ہے اے کشتیٔ امت کے نگہباں!
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

اسی طرح مولانا ظفر علی خاں بھی ایسی ہی روایتی نعت کے نمونے سامنے لاتے ہیں۔ ان کے ہاں بھی مولانا حالی کی طرح وہی عقیدہ کارفرما ہے، یعنی نبی ﷺ سے تخاطب تو کرتے ہیں مگر دعا ہی کے لیے عرض کرتے ہیں:

اے قبلۂ دو عالم و اے کعبۂ دو کون
تیری دعا ہے حضرتِ باری میں مستجاب
یثرب کے سبز پردے سے باہر نکال کر
دونوں دعا کے ہاتھ بصد کرب و اضطراب
حق سے یہ عرض کر کہ ترے ناسزا غلام
عقبیٰ میں سرخرو ہوں تو دنیا میں کامیاب

مولانا حالی اور مولانا ظفر علی خاں نبی ﷺ سے تخاطب تو کرتے ہیں مگر ان سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنے کی ہی استدعا کرتے ہیں لیکن براہ راست استمداد نہیں کرتے۔ مولانا ظفر علی خاں کی ایک اور نظم ''عرضداشتِ امت بحضور سرورِ کون و مکاں'' ہے جس میں نبی ﷺ کی تعلیمات کے سبب ملت اسلامی کے عروج کا ذکر ہے:

ہم ترے احکام پر جب تک عمل کرتے رہے
ہم کو ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا کوئی اپنا مثیل
پرچمِ اسلام اِک عالم پہ لہراتا رہا
مشوروں میں ہم رہے اقوامِ عالم کے دخیل

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ جب ہم نے آپ کی تعلیمات سے اغماض برتا تو پستی اور ذلت ہمارا مقدر بن گئی۔ ہم پر زمانہ یوں ہی یورش کر رہا ہے جیسے کعبے پر اصحاب فیل چڑھ آئے تھے لیکن ہم آخر آپ کی امت ہونے کے ناطے سے دوسروں کے دست نگر کیوں ہیں؟

تکیہ جس طاقت پہ ہم کو ہے وہ ہے تیری دعا
جو کہ ہے مقبولِ درگاہِ خداوندِ جلیل

ایک اور نظم جس میں وہ حسبِ سابق نبی ﷺ کی عظمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ کی ہدایت و راہنمائی نے شبِ حیات کی تیرگی دور کردی۔ بت گروں نے توحید پرستی سیکھی مگر اب ہم میں پھر وہی دورِ جہالت جاری ہوگیا ہے اور ہم شرعِ مبیں سے دور ہوگئے ہیں:

مرکزِ ثقل سے ستوں شرعِ مبیں کا ہٹ گیا
خطر میں آکے پڑ گیا دینِ قویم کا ثبات
تیری نگاہِ مہرباں ہمیں ذریعۂ فلاح
تیری دعائے مستجاب ہمیں وسیلۂ نجات

حفیظ تائبؔ نے بھی بعض نعتیں اسی نہج پر لکھی ہیں، چنانچہ وہ بھی مولانا حالیؔ اور ظفر علی خاں کی طرح رسول اللہ ﷺ سے دعا کرنے کی درخواست کرتے ہیں:

پھر اٹھا ہاتھ بہرِ دعا یا نبی!
شاد ہو جائے خلقِ خدا یا نبی!
پھر سرافراز ہو امتِ آخریں

ختم ہو یورشِ ابتلا یا نبی!

اسیرِ حادثاتِ نو بہ نو ہے امتِ آخر
کہ اس پر یورشِ اعدا ہے پیہم، سیدِ عالم!
مداوا سب دکھوں کا ہے دعا تیری شہِ والا!
نظر تیری سبھی زخموں کا مرہم سیدِ عالم!

حفیظ تائب فلسطین کے حالِ زار پر اشک فشانی کرتے ہوئے اس کرب کا اظہار کرتے ہیں کہ دنیا میں تمام غیر مسلم اقوام اسلام کی دشمن ہیں اور «اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ» کے مصداق وہ سب مسلمانوں کی تخریب وتذلیل کے لیے باہم متحد ہیں مگر مسلمانوں کو صرف آپ کی دعا کا سہارا ہے:

فریاد کناں ہیں در و دیوارِ فلسطین
ہیں نوحہ بلب مسجد و منبر مرے آقا!
نبیوں کی زمیں منتظرِ حرفِ اذاں ہے
پہنچے کوئی اسلام کا لشکر مرے آقا!
سازش سے یہود اور نصاریٰ کی جہاں میں
توحید کے فرزند ہیں بے گھر مرے آقا!
صہیونیت افرنگ کے بل پر ہے تنومند
مسلم ترے دم سے ہے تونگر مرے آقا!
ہر دورِ پُر آشوب میں اک تیری دعا ہے
وہ جس سے بدلتا ہے مقدر مرے آقا!

اسی طرح حسنؔ لطیفی لکھتے ہیں:

تھے عُقابی شان کے جن کے ''غبانہ'' اور ''عقال''
آج ہیں وہ گوسفندوں سے بھی بے ہنگم تریں
جو مجاہد تھے وہ مذہب کے مجاور رہ گئے
جو کبھی شاہیں تھے اب ہے شان ان کی کرگسیں
جن شتربانوں کی شمشیریں رہیں کشورکشا
وہ خس و خاشاک و خاکستر کے ہیں اب خوشہ چیں
ملتِ بیضا کے حق میں ''حق'' سے کیجے یہ دعا
رحم کر اس قوم پر ربِّ رحیم الراحمیں
وحدتِ ایمانِ دیرینہ کا کھنچ جائے سماں
بین الاقوامی اخوت سے ہوں یکجاں مومنیں
غلبۂ توحید سے کون و مکاں سب گونج اٹھیں
شش جہت آفاق ہو اسلام کے زیرِنگیں

اور ظہورؔ نظر یوں رقم طراز ہیں:

رسولِ اکرم! حضور صلعم!
خدا سے کہیے!
بزرگ و برتر خدا سے کہیے!
کہ ہم جو اس کی فضیلتوں کو، بشارتوں کو بھلا چکے ہیں
محبتوں کو، عنایتوں کو، نوازشوں کو لٹا چکے ہیں

ہمیں پھر اپنی فضیلتیں دے، نوازشیں دے
محبتیں دے، عنایتیں دے، نوازشیں دے

رسولِ اکرم! حضور صلعم!
ہمیں یقیں ہے
ہمارا ایمان ہے کہ اللہ آپ کی بات مانتا ہے
تمام دنیاؤں، سب جہانوں میں آپ سے بڑھ کے کوئی پیارا کہیں نہیں ہے
خدا کا ایسا کوئی دلارا کہیں نہیں ہے
خدا سے کہیے!
خدارا اپنے بزرگ و برتر خدا سے کہیے!
کہ ہم کو اپنی عنایتِ خاص سے نوازے

مذکورہ تمام شعراء کا نقطۂ انتہا نبی ﷺ سے دعا کرنے کی استدعا پر ہی منتج ہوتا ہے۔ ان شعراء کا یہ انداز بھی حرام، بدعتی اور شرکیہ ہے جس سے احتراز واجب ہے، البتہ ہندوستانی مسلمان یہاں کے ہندو مذہب سے خاصے متاثر ہوئے اور ان کے عقائد وافکار میں ہندوانہ رنگ وآہنگ نے جگہ پائی۔ دیوی دیوتاؤں کی سرزمین پر مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کی دیکھا دیکھی اپنے اکابر اور پیروں کو مافوق الفطرت ہستیاں ثابت کرنے میں بے سروپا حکایات وروایات کا سہارا لیا اور انھی کی طرح اپنے اولیاء اور بزرگوں کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا بنا کر پیش کیا۔ اس طرح بزرگوں سے برتر ہستی رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تو اور بھی زیادہ حاجت روائی کا منبع تصور کی گئی، لہٰذا نعت گوؤں نے رسول اللہ ﷺ کی نعت ومنقبت اسی طرح کہنی شروع کردی جیسے ہندو کرشن جی کے بھجن کہتے تھے۔

یہاں یہ گزارش کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرونِ اولیٰ کی عربی نعتیہ شاعری میں

نبی ﷺ سے دعا کرنے کی استدعا کرنا بھی ثابت نہیں۔ یہ بھی عجمی شعراء ہی کا خاصہ ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ یہ ایک بدعتی اور شرکیہ انداز ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ یاد آتا ہے جب وہ نمازِ استسقا کے لیے نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بارش کی دعا کرنے کے لیے ساتھ لے گئے۔[1] اگر وہ نبی ﷺ سے دعا کرنے کی التجا[2] کا عقیدہ رکھتے تو ضرور نبی ﷺ سے دعا کی استدعا کرتے مگر وہ نبی ﷺ کی تعلیم ہی کے باعث جانتے تھے کہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام سے بھی کوئی التجا نہیں کی جاسکتی۔

اب جبکہ مسلمانوں کو بھی نبی ﷺ کے سوا کوئی ہستی دعا سننے والی یا مصائب ومشکلات دور کرنے والی نظر نہ آئے تو پھر اللہ تعالیٰ کی اہمیت وعظمت اور کس کے ہاں ملے گی؟ ارشاد باری ہے: ﴿مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا﴾ ''تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ تمھارے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کوئی جلال اور وقار ہی نہیں۔''[3]

جبکہ:

اللہ کا ثانی ہے نہ کوئی ہمسر
پیغام یہ لائے ہیں سبھی پیغمبر
مت اس کے سوا کسی کو مشکل میں پکار
لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَر (علیم ناصری)

---

① صحيح البخاري، حديث: 1010 و 3710.

② اقبال نے بھی محض تخاطب کے انداز میں کہا ہے:

حضور! دہر میں آسودگی نہیں ملتی — تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ وگل ہیں ریاضِ ہستی میں — وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی

③ نوح 13:71.

ہمارے اس دور میں تو نعت میں استمداد ایک لازمی عنصر اختیار کر گیا ہے۔

شعراء تو سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کیے بغیر دھڑا دھڑ نعتوں کے مجموعے شائع کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل کرنے کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے بلکہ رسول اللہ ﷺ کو مختار کل کا لقب دے رکھا ہے اور کائنات کی ہر چیز آپ ﷺ کے تابع ٹھہرا دی گئی ہے، حالانکہ یہ سب کچھ قرآن اور احادیثِ رسول ﷺ کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ دورِ حاضر کے ایک سربرآوردہ ہمہ جہت شاعر عبدالعزیز خالدؔ نے نعت گوئی میں ایک خاص آہنگ پیدا کیا ہے۔

ان کی اکثر نعتوں میں ملت کی ابتری، مسلمانوں کی بے عملی بلکہ بدعملی، فکر و کردار کی بے راہ روی اور معاشی اور معاشرتی زبوں حالی پر حزن و ملال کی جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔ امت کی فکری الجھنوں اور عملی بے راہ رویوں پر استفہام ہے:

کیوں اندلس و ہند ہیں خوں نابہ فشاں
ماتم کریں صِہیَون کی راہیں کس کا؟
لے ڈوبی انھیں ہوس زر و منصب کی
ہر شے ہے مسلمانوں میں ایماں کے سوا
ہے مردِ مسلماں کی ہلاکت کا سبب
آسائش و زینت کی حیاتِ دنیا
معنی خلافت کے ہوئے ذہنوں سے محو
بھولے مسلماں تیری بعثت کا سبب
پھر ہو کسی فاروقِ اعظم کا ظہور
دیتا ہے لَو پھر سے شرارِ بُولہب

عبدالعزیز خالد کے ہاں ملت اسلامیہ پر خارجی حملے سے داخلی انتشار کی زیادہ اہمیت ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر امت واقعی رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر پوری طرح کاربند رہتی تو اس کی عظمت وشوکت کو کبھی زوال نہ آتا اور کسی بیرونی طاقت کو اس پر غلبہ حاصل نہ ہوتا۔

وہ ملت کی ایک ایک خامی پر دل گرفتہ ہیں کہ اس ملت کو عدل سے رغبت نہیں رہی۔
﴿ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ (وعدے پورے کرو) کو انھوں نے کالعدم قرار دے دیا ہے۔
عقل ودانش سے انھیں نفرت ہے۔
اللہ کے بندے مال وزر کے بندے بن گئے ہیں۔ احترامِ آدمیت اِن کے ہاں سے اٹھ گیا ہے۔
واعظ کی خطابت نے اس امت کو بے عمل بنادیا ہے۔
اہلِ منبر کتابوں کے دشمن ہیں مگر ام الکتاب (قرآن) اور الحدیث (فرامین نبوی) کے وارث بنے بیٹھے ہیں:

دور دورہ اس میں ہے حرص و فریب و فند کا
ضعفِ ایمانی سے ڈھیلی پڑ گئی اس کی کماں
اب نہیں خصلت کوئی اس میں دیانت نام کی
رزقِ طیب کے تصور ہی سے ہے یہ سرگراں
بغض، انصاف و دیانت سے ہے اس کو منتہیٰ
اُن کے ذکرِ خیر میں رہتی ہے گو رطب اللساں
ملتِ بیضا ولایاتِ فقیہاں میں بٹی
اب ہیں سر خلقِ خدا کے اور تیغِ بے اماں

ہے توقع ان سے رحم و عفو و احساں کی عبث
فرقۂ زُہّاد ہے ہم مشربِ چنگیزیاں

شاعر کے ذہن رسا میں سوالات موج در موج ابھرتے چلے آئے ہیں کہ کیا قرآن و حدیث عہد و ماحول کے محکوم ہیں؟ کیا قرآن فرد سے مخاطب ہے یا جماعت سے؟ کیا دین و دنیا کے مفادات جدا جدا ہیں؟ اب افلاک سے نالوں کا جواب کیوں نہیں آتا؟ کیا آسمان کے دروازے بند ہو گئے؟ مگر خالد نے اپنی شاعری میں:

﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾

''بے شک میں تو اپنا غم اور پریشانی اللہ ہی کے سامنے پیش کرتا ہوں۔''[1]

کے انداز کے بجائے استغاثہ بہ رسول کی صورت میں سب کچھ پیش کیا ہے۔

چنانچہ جب عوام الناس نے ''رب الناس'' کو پکارنا ہی چھوڑ دیا اور عرش پہ استویٰ فرمانے والے ارض وسما کے رب کے بجائے زمین کی پشت پہ بسنے رہنے والے نبیوں، ولیوں اور نیک بندوں سے استمداد و استعانت اور استغاثہ کرنے لگے تو:

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
اٹھتے ہیں حجاب آخر، کرتے ہیں خطاب آخر

کی کیفیت کیسے پیدا ہو؟

---

[1] یوسف 78:12.

نعت گوئی کی نمایاں خصوصیات

ابھی تک ہم نے نعت گوئی کے اصل منبع وسرچشمہ قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا جو حقیقی نعت کا معیار اور کسوٹی ہے اور انھی ہر دو چشمہ ہائے نور و ہدایت کی روشنی میں ہم حقیقی نعت گوئی کا بھی جائزہ لیں گے۔ چونکہ نعت[1] کا موضوع نہایت وقیع و وسیع ہے۔ اس کی وسعت ایک طرف ''عبد'' سے اور دوسری طرف ''معبود'' سے ملتی ہے، چنانچہ شاعر کے پایۂ فکر میں ذرا سی لغزش ہوئی اور وہ ''نعت'' کے بجائے ''حمد'' کی سرحدوں میں پہنچ گیا۔

دیکھیے کس طرح شاعر ''عبودیت'' سے ''ربوبیت'' اور ''نبوت'' سے ''الوہیت'' کی حدود میں نقب زن ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر عبدالعزیز فطرت اپنے اس شعر میں:

اب مرے بوسے ہیں اور وہ ''در'' ہے
جس کے دربان ہیں جبریلِ امیں

نبی ﷺ کے درِ اقدس پہ حاضری اور آپ کی دہلیز پہ بوسہ دینا اپنے لیے باعث افتخار و سعادت سمجھتے ہیں، حالانکہ چوکھٹ چومنے میں ناصیہ فرسائی کا عمل تو خود بخود شامل ہو ہی جاتا ہے، تاہم اسے حسن عقیدت یا شاعرانہ رنگ آمیزی سے تعبیر کرنے کا عذرِ لنگ پیش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب مذکورہ شاعر:

ع بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیبِ داستاں کے لیے

[1] ماہنامہ ''نقوش'' رسول نمبر جلد: 10۔

کا تکلف برطرف کرتے ہوئے صاف طور پر گویا ہوتا ہے:

اب مرے سجدے ہیں اور وہ عظمت
کہ ہے کونین میں ممتاز ترین

تو ان اشعار کی زد براہِ راست ''توحیدِ الٰہی'' پہ پڑتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر حکماً فرما دیا ہے کہ ''سجدہ'' فقط اسی کا حق ہے، لہٰذا کائنات کی ہر چیز اسی خالق کائنات کے حضور سجدہ کناں ہے۔ بقولہ تعالیٰ:

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ○ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ ﴾

''کیا ان لوگوں نے خدا کی مخلوقات میں سے ایسی چیزیں نہیں دیکھیں جن کے سائے دائیں بائیں لوٹتے رہتے ہیں، یعنی اللہ کے سامنے سجدے میں پڑے رہتے ہیں۔ اور تمام جاندار جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، نیز فرشتے بھی اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔''[1]

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا کہ میں حیرہ شہر میں گیا تھا۔ وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ سو آپ سجدے کے زیادہ حق دار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِي أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ؟» قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَ: فَلَا تَفْعَلُوا»

''مجھے بتا کہ اگر تو میری قبر کے پاس سے گزرے تو کیا اسے سجدہ کرے گا؟''

---

[1] بنيٓ إسرآء يل 17:99,100۔

میں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پس (مجھے سجدہ) مت کرو۔"[1]

مگر مقام حیرت و تاسف ہے کہ بہت سے شعراء نے قرآن مجید کی اس نص قطعی اور پیغمبر اسلام ﷺ کی اس واضح حدیث کو بھی ملحوظِ خاطر نہیں رکھا اور غلو میں یوں مبتلا رہے ہیں:

آپ کے کوچے میں ہو میرا گزر یا مصطفیٰ!
میری پیشانی ہو اور وہ سنگِ در یا مصطفیٰ!

(طاہر فاروقی)

شرف کعبے کا ہے گر طوف کرنے آئے مرقد کا
تری چوکھٹ کو چومے فخر ہے یہ سنگِ اسوَد کا

(جلال لکھنوی)

مدینہ سجدہ گاہِ آفتاب و ماہ و اختر ہے

(مانی جائسی)

محراب سجدہ گاہِ کواکب ہے "در" ترا

(احسان دانش)

جس کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی

(احمد رضا خاں)

ہو آستانہ آپ کا امدؔاد کی جبیں
اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یا رسول!

(حاجی امداد اللہ)

---

[1] سنن أبي داود، حديث: 2140.

نبوت اور الوہیت

نعت نگاری سب سے پہلے اس امر کی متقاضی ہے کہ نعت لکھتے ہوئے حدودِ شرعیہ کی پاس داری کی جائے۔ اللہ اور بندے اور الوہیت و نبوت کے فرق کو پیش نظر رکھا جائے۔ دراصل حفظِ مراتب کے ادراک کا ہی نازک مقام نعت گو کے لیے پل صراط عبور کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اکثر شعراء نبوت کے ڈانڈے الوہیت سے ملا دیتے ہیں، مثلاً:

تم کو حریمِ غیب کا پردہ کشا کہوں
یا عالمِ ظہور کا فرماں روا کہوں
یا مہبطِ تجلیٔ بے ابتدا کہوں
یا مظہرِ جلال و جمالِ خدا کہوں

(رشک لکھنوی)

معانی قل ہو اللہ احد کے ہیں عیاں ناسخ
برائے قافیہ رکھا ہے میں نے میم احمد کا

(ناسخ لکھنوی)

تو ''اَحَدْ'' ہے نام تیرا ''احمدِ بے میم'' ہے

(سراج اورنگ آبادی)

ہوا کب کوئی ایسا بندہ خدا کا
کہ ہے جس پہ بندوں کو دھوکہ ''خدا'' کا

(امجد حیدرآبادی)

دراصل یہ ''دھوکہ'' تمام مذاہب کے پیروکاروں کو اللہ کے نبیوں اور نیک بندوں کے

بارے میں لاحق رہا ہے۔قرآن گواہ ہے:

﴿كَانَتْ تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾

’’ان لوگوں کے پاس ان کی طرف بھیجے ہوئے اللہ کے پیغمبر واضح نشانیاں لے کر آئے۔‘‘[1]

تو اولاً انھوں نے صاف نشانیاں اور معجزات دیکھ لینے کے بعد بھی یہ کہہ کر اللہ کے پیغمبروں کی نبوت و رسالت کو ماننے سے انکار کر دیا کہ

﴿فَقَالُوٓا أَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا﴾

تو ان پیغمبروں کی شان میں کہنے لگے ’’ناداں‘‘
کہ سمجھانے چلا ہے ہم کو کیا ہم جیسا اک انساں؟[2]

اگر نبوت اور نیک چلنی کو مانا بھی تو انھی خرق عادت ’’معجزات[3]‘‘ اور ’’کرامات‘‘ کی بنا پر ان کی ’’بشریت‘‘ کا انکار کر دیا، چنانچہ کچھ مذاہب نے نیک لوگوں کو ’’اوتار‘‘ کہنا شروع کر دیا (’’اللہ تعالیٰ مجسم صورت میں زمین پر اتر آیا ہے۔‘‘) کچھ نے ’’حلول‘‘ کا عقیدہ اپنا لیا۔

---

[1] التغابن 6:64. [2] التغابن 6:64.

[3] معجزہ اور کرامت کی حقیقت: اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں ہر چیز کے اندر اس کے طبعی خواص رکھے ہیں، مثلاً: آگ جلاتی ہے، پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے وغیرہ۔لیکن اللہ تعالیٰ اس کا پابند نہیں کہ ہمیشہ کے لیے اس چیز کے خواص وہی ہوں، اگر اللہ چاہے تو اس چیز کے طبعی خواص کے برخلاف خرق عادت کے طور پر اس سے کچھ بھی صادر کر سکتا ہے۔
لیکن جان لینا چاہیے کہ اختیار کلی اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔اس چیز کو یہ طبعی خواص عطا فرما کر (نعوذ باللہ) اس کے ہاتھ بندھ نہیں گئے بلکہ وہ جب چاہے اس کی طبیعت اور مزاج کو بدل دے۔اس کو ’’خرق عادت‘‘ کہتے ہیں۔اگر یہ خرقِ عادت نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو معجزہ ہے اور اگر ولی کے ◄◄

(کہ اللہ انسانی پیکر میں سرایت کر گیا ہے جیسے چینی پانی میں حل ہو کر اس کا حصہ بن جاتی ہے، ایسے ہی اللہ انسانی سانچے میں ڈھل گیا ہے) یہودیوں نے اپنے نبی عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ کر اللہ کا بیٹا بنا لیا۔ عیسائی آئے تو انھوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو «مسیح ابن اللہ» یعنی ''عیسیٰ اللہ کا بیٹا'' کہنا شروع کر دیا حتیٰ کہ بعض مسلمانوں کو بھی تلبیس لاحق ہوئی اور انھوں نے بھی اللہ کے بندے اور رسول، سید البشر، رسولِ اکرم محمد ﷺ کی بشریت کو ماننے کے بجائے ان کے لیے ''نور من نور اللہ'' کا فلسفہ اختراع کر لیا۔

دراصل یہ عقیدہ عیسائیوں کا تھا جو جناب مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے۔

«« ہاتھ سے ظاہر ہو تو ''کرامت'' ہے۔ مگر بعض کم علم لوگ ان معجزات کی بنا پر انبیاء علیہم السلام کو مالک و مختار اور متصرف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ معجزہ و کرامت انبیاء اور اولیاء کے اپنے بس کی بات نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے ان کے ہاتھوں سرزد ہوتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے آخری اور پیارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے بھی کفارِ مکہ طرح طرح کے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ آپ ﷺ کا جی چاہتا تھا کہ ان کے مطلوبہ معجزات انھیں دکھا دیے جائیں تاکہ وہ قبول اسلام سے راہ فرار اختیار نہ کر سکیں لیکن چونکہ ظہور معجزات کا معاملہ آپ کے بس کی بات نہ تھی، اس لیے بعض اوقات آپ کی طبیعت بہت زیادہ مکدر ہوتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ﴾ ''اور (اے حبیب!) اگر ان کی روگردانی تم پر شاق گزرتی ہے تو اگر بس چلے تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ نکالو یا آسمان میں سیڑھی (تلاش کرو) پھر ان کے پاس کوئی معجزہ لے آؤ۔'' (الأنعام 35:6) نیز ان لایعنی مطالبات کے جواب میں کہ ''چشمہ پھوٹ بہاؤ، نہر جاری کر دو، لہلہاتا باغ اگا دو، سونے کا محل تیار ہو جائے، آسمان کے ٹکڑے گرا دو، آواز دو اور ہمارے سامنے اللہ اور فرشتے آ موجود ہوں''، اپنے نبی ﷺ کی زبان سے ایک ہی بات کہلوائی۔ ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میرا رب پاک ہے۔ میں تو ایک پیغام پہنچانے والا ''انسان'' ہوں۔'' (بنيٓ إسرآءيل 93:17)

نورٌ مِّنْ نُورِ اللّٰہ کے عقیدہ کی علمی تحقیق

اسلام کی خالص اور فطری تعلیم میں جب سے تصوّف کے نام سے عقائدِ باطلہ کو شامل کیا جانے لگا ہے، اسی وقت ہی سے بدعتی حضرات کی کوشش رہی ہے کہ قرآن اور صحیح حدیثوں پر مبنی عقائد میں تخلیط پیدا کر کے انھیں مشکوک بنادیا جائے تاکہ اسلامی عقائد اپنی اصلیت پر قائم نہ رہیں۔ ان عقائدِ باطلہ میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوئی ہے اور آپ ﷺ مبدا اور منبعِ مخلوقات ہیں۔''

یہ عقیدہ صریحاً قرآن کریم کی متعدد نصوص اور احادیثِ متواترہ، جن میں انبیاء کے عموماً اور رسول اللہ ﷺ کے خصوصاً بشر ہونے کی تصریح کی گئی ہے، کے خلاف ہونے کی بنا پر اختراعی اور افترائی ہے۔

قرآن حکیم نے اس افراط وتفریط کو ختم کرنے کے لیے نبوّت ورسالت کی حقیقت کو بہت عمدہ طریقوں سے آشکار کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی ورسول لوازمِ بشریّت کے ساتھ ساتھ تقدّس وطہارت، اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ کے نہایت مُسلّم اور بلند مقام پر فائز ہوتا ہے، یعنی وہ بشر تو ہے لیکن بشرِ معصوم ہوتا ہے اور یہ مقام عوام النّاس میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں۔ بقول شاعر:

ع یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

کچھ اسی قِسم کی بحث سیّد الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھی ہوتی رہی ہے اور اُن کی بشریت کی نفی ''نور'' کے لفظ سے کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں جو معرکے سرگرم ہوتے ہیں، ہرکس وناکس اِن سے خوب واقف ہے حتیٰ کہ عوامی سٹیجوں پر یہاں تک لفظی صنعت گری وموشگافی سے کام لیا جاتا ہے کہ ''احد'' اور ''احمد'' میں صرف

''م'' کا فرق ہے جس کی تائید میں شعروں کی بھرمار کی جاتی ہے:

ع ہم نے مسجد کے منبر پر اک ''احمد بے میم'' دیکھا

ع جہاں میں شکلِ احمد بن کے وہ نورِ قدیم آیا

ع اوہ بے صورت، وچ صورت دے بن آپ محمد آیا اے

(نعوذُ باللّٰه مِن ذٰلك)

نبی ﷺ کو نور کہنے کی اس افراط اور غلو کی بنیاد درجِ ذیل آیت پر رکھی جاتی ہے جو متشابہات میں سے ہے:

﴿قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ ۝﴾

''بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آ چکی ہے۔''[1]

اس سے اکثر حضرات نے تو یہ مُراد لی ہے کہ قرآن مجید کو نور کہا گیا ہے اور واو برائے عطف تفسیر ہے، قرآن مجید ہی میں دوسری جگہ پر قرآن کو نور کہا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِيٓ أُنزِلَ مَعَهُۥٓ﴾

''اور اس نور کی پیروی کی جو اتارا گیا ہے اس رسول کے ساتھ۔''[2]

اس سے معلوم ہوا کہ نور سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ لیکن صاحب ضیاءُ القرآن اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نور سے مُراد یہاں ذاتِ پاکِ محمد مُصطفٰے علیہ الصلاۃ وَالسلام ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حق کو روشن کر دیا۔ اسلام کو ظاہر فرمایا۔ شرک کو نیست و نابود کیا۔''

صاحبِ ضیاءُ القرآن کی تاویل کے مطابق بھی نبی ﷺ کی نوع تبدیل نہیں ہوگئی کہ

---

[1] المآئدة 5:15. [2] الأعراف 7:157.

آپ ﷺ زمرۂ انسانیت سے ماورا ہو گئے ہوں بلکہ ''نور'' کا لفظ نبی ﷺ کے لیے استعارتاً[1] استعمال ہوا ہے کہ جس نور کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حق کو روشن کر دیا، اسلام کو ظاہر کر دیا، لہٰذا یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ نبی ﷺ انسان نہیں بلکہ اللہ کا کوئی جُز تھے۔ یہ عقیدہ تو نصاریٰ کا ہے جو انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گھڑ لیا تھا۔ اور ''ایک میں تین'' اور ''تین میں ایک'' الٰہ بنا دیا تھا۔

یہی چیز ہندوؤں میں ''اوتار'' کے نام سے پائی جاتی ہے کہ وہ نیک لوگوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ ان میں اُتر آیا اور حلول کر گیا ہے۔ «اَلعیاذُ باللّٰہ» لیکن مقامِ صد افسوس کہ مسلمان بھائی متشابہات کے چکر میں پھنس گئے ہیں، حالانکہ مسلمان پر لازم ہے کہ وہ متشابہات پہ ایمان رکھے، اپنی طرف سے ان کی تعبیر وتشریح نہ کرے کیونکہ متشابہات کے پیچھے پڑنے والوں کے بارے میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''جن کے دلوں میں کجی، گمراہی اور حق سے باطل کی طرف جانا ہے تو وہ متشابہ آیتوں کو لے کر اپنے مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور لفظی اختلاف سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اپنی طرف موڑ لیتے ہیں تاکہ اپنے ماننے والوں کو بہکائیں۔ اپنی بدعتوں کی دلیل قرآن سے لانا چاہتے ہیں، حالانکہ قرآن تو بدعات کی تردید کرتا ہے۔ جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کا بیٹا ہونے پر قرآن کے رُوحُ اللّٰہ اور کَلِمَۃُ اللّٰہ کے متشابہ الفاظ سے دلیل پکڑی اور صاف آیت جس میں ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ﴾ ''وہ (عیسیٰ) صرف ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا'' کو چھوڑ دیا۔''[2]

---

[1] ادب (Literature) کا ادنیٰ طالبِ علم بھی بخوبی جانتا ہے کہ استعارہ میں لفظ اپنے مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے کسی شخص کی بہادری کو دیکھ کر اُسے ''شیر'' کہہ دیا جائے یا اُس کے حسن سے متاثر ہو کر اُسے چاند کہہ دیا جائے تو وہ سچ مچ کا شیر یا چاند نہیں بن جاتا۔

[2] تفسیر ابن کثیر، الزخرف 59:43.

اس افراط اور غلو کی ایک مثال پیر غلام محمد صابری چشتی قادری نظامی کی کتاب ''نور واحدیّت''[1] میں کچھ یوں ہے:

''اس آیت مبارکہ ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾[2] کے معنی جو بزرگان دین نے فَنَا فِي الرَّسُولِ ہوکر حاصل کیے ہیں وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود نور کی صورت میں تبدیل ہوکر اپنے تمام احکام سنانے کے لیے بولتا ہوا قرآن بن کر آیا ہے۔''

مذکورہ تشریح و توضیح سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے بعض مسلمان بھائی بھی ایسی محکم آیات کو جن کا بیان بہت واضح، صاف اور سیدھا ہے اور جن سے عموماً انبیائے کرام علیہم السلام اور خصوصاً اشرف الانبیاء ﷺ کا بندۂ ربّ العالمین اور زمرۂ انسانیت سے ہونا ثابت ہے، کو چھوڑ کر متشابہات کی تاویلات میں اُلجھ گئے ہیں، حالانکہ قرآن مجید پوری صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ اللہ نے ہمیشہ انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور انسان کی ہدایت کے لیے انسان ہی رسول ہوسکتا ہے نہ کہ کوئی فرشتہ یا بشریّت سے بالاتر کوئی ہستی! فرمایا:

''ہم نے تم سے پہلے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا جن پر ہم وحی کرتے تھے۔ اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔ اور ہم نے انھیں ایسا نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ جینے والے تھے۔''[3]

یعنی کافر جو اعتراض کرتے تھے کہ نبی ﷺ کو کھانے پینے اور تجارت سے کیا مطلب، اُس کا جواب دیا جارہا ہے کہ اگلے سب پیغمبر بھی انسانی ضرورتیں رکھتے تھے۔ یہ چیزیں نبوت کے خلاف نہیں۔ ہاں! اللہ تعالیٰ اپنی خاص عنایت سے انھیں پاکیزہ اوصاف، نیک خصائل، ظاہر دلیلیں اور اعلیٰ معجزے دیتا ہے کہ ہر عقل سلیم والا، ہر دانا و بینا مجبور ہوجاتا ہے کہ ان کی نبوت کو تسلیم کرے۔ دوسری آیت میں ہے: ''تم سے پہلے بھی جتنے نبی

---

[1] ''نور واحدیت'' مطبوعہ سیرت فاؤنڈیشن، لاہور

[2] المآئدة 15:5 ۔ [3] الأنبيآء 8,7:21 ۔

آئے، سب شہروں میں رہنے والے انسان ہی تھے۔" (ابنِ کثیر)

ان تمام ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم سے انسانوں کی گمراہی کی بنیادی وجہ یہی رہی ہے کہ انھوں نے انبیاء کی نبوت کا انکار محض ان کی انسانیت اور بشریت کے باعث کر دیا تو رسولوں کو انسان نہ ماننا یا انسانوں کو رسول نہ ماننا جاہلیت کی یادگار اور ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں۔

گویا اُن کافروں کا مطلب یہ تھا کہ تم ہر حیثیت سے بالکل ہم جیسے انسان ہی نظر آتے ہو۔ کھاتے ہو، پیتے ہو، سوتے ہو، بیوی بچے رکھتے ہو، بھوک، پیاس، بیماری، دُکھ، سردی، گرمی، ہر چیز کے احساس میں تم ہمارے مشابہ ہو۔ تمھارے اندر کوئی غیر معمولی پن ہمیں نظر نہیں آتا جس کی بنا پر ہم مان لیں کہ تم کوئی پہنچے ہوئے لوگ ہو اور اللہ تم سے ہم کلام ہوتا ہے اور فرشتے تمھارے پاس آتے ہیں۔

قومِ نوح کے سرداروں نے جب حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا تو یہی کہا تھا:

"یہ شخص اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک بشر ہے تم ہی جیسا اور چاہتا ہے کہ تم پر اپنی فضیلت جمائے، حالانکہ اگر اللہ چاہتا تو فرشتے نازل کرتا۔ ہم نے تو یہ بات کبھی اپنے باپ دادا سے نہیں سُنی (کہ انسان رسول بن کر آئے)۔"[1]

قومِ عاد نے یہی بات حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق کہی تھی:

"یہ شخص کچھ نہیں مگر ایک بشر تم ہی جیسا۔ کھاتا ہے وہی کچھ جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے وہی کچھ جو تم پیتے ہو۔ اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک بشر کی اطاعت کر لی تو تم بڑے گھاٹے میں رہے۔"[2]

قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق بھی کہا تھا کہ "کیا ہم اپنے میں سے

---

[1] المؤمنون 23:24. [2] المؤمنون 23:33،34.

ایک بشر کی پیروی اختیار کر لیں؟''[1]

اور یہی معاملہ قریب قریب تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پیش آیا کہ کفار نے کہا: ''تم کچھ نہیں ہو مگر ہم جیسے بشر'' اور انبیاء علیہم السلام نے انھیں جواب دیا کہ واقعی ہم تمھاری طرح بشر کے سوا کچھ نہیں ہیں مگر اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، احسان فرماتا ہے۔''[2]

اس کے بعد قرآن مجید کہتا ہے کہ یہی جاہلانہ خیال ہر زمانے میں لوگوں کو ہدایت قبول کرنے سے باز رکھتا رہا ہے اور اسی بنا پر قوموں کی شامت آئی ہے:

﴿ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ○﴾

''وہ کہنے لگے: تم ہمارے ہی طرح کے انسان ہو اور تم پر رحمٰن نے کچھ نازل نہیں فرمایا بلکہ تم جھوٹے ہو۔''[3]

دوسرے الفاظ میں ان کا کہنا یہ تھا کہ تم چونکہ انسان ہو، اس لیے خدا کے بھیجے ہوئے رسول نہیں ہو سکتے یہی خیال کفّارِ مکہ کا بھی تھا۔ وہ کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) رسول نہیں کیونکہ وہ انسان ہیں۔

﴿ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴾

''اور یہ ظالم لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ شخص (محمد ﷺ) تم جیسے ایک بشر کے سوا آخر اور کیا ہے، پھر کیا تم آنکھوں دیکھتے اس جادو کے شکار ہو جاؤ گے؟''[4]

لیکن قرآن مجید کفارِ مکہ کے اس جاہلانہ خیال کی تردید کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ یہ کوئی نئی جہالت نہیں، ہر نبی کے ساتھ ایسے ہی ہوتا آیا ہے۔ البتہ اس کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

---

[1] القمر 24:54. [2] إبراهيم 11,10:14. [3] یٰسٓ 15:36. [4] الأنبیآء 3:21.

اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے دور میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کا عقیدہ ہو کہ رسول اللہ مبدأ خلق اور نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان زرّیں ادوار کے بعد کذابوں نے اس عقیدے کو رواج دینے کی کوشش کی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔

دراصل یہ عقیدہ (تثلیث کا چربہ ہے جو) بعض حضرات نے چُرا کر اپنے ائمہ پر چسپاں کر دیا کہ ائمۂ اہل بیت[1] کی پیدائش نور سے ہوئی ہے۔

اسی باطل عقیدہ کے تانے بانے کا ملغوبہ صوفیاء حضرات کے ذریعے عام مسلمانوں میں پھیل گیا۔ جیسے پیر غلام محمد صابری چشتی قادری نظامی اپنی کتاب ''نور واحدیّت'' میں تحریر کرتے ہیں: ''ذاتِ باری تعالیٰ ایک مخفی خزانہ تھا۔ جب اُس نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو اپنی خاص صفاتی طاقت سے کام لے کر کائنات کو مع ان کے جسموں اور ناموں کے خلق کیا تو سب سے اوّل وہ ذات تعالیٰ اپنی طاقت سمیت اس اپنی صفاتی قوّت کے ہمراہ ایک تجلی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس تجلّیٔ ذاتی کو تمام مذاہب نے اپنے اپنے خیال کے مطابق مختلف نام دیے، کسی نے ''اوتار'' کا نام دیا، کسی نے ''خدا کا بیٹا'' قرار دیا۔ (کسی نے ''خدا کا نور'' کہا۔)...... چنانچہ اُس سلطانِ لایزال، یعنی ذات تعالیٰ نے جب چاہا کہ خلوت خانۂ غیب سے کائنات کے بازارِ ظہور میں آ کر اپنی نوری حضوری والی تجلّی کا تماشا

---

[1] الأصول في الكافي: 389/1.

اسی سے متاثر ہو کر شعراء پہلے تو صرف تمام اہلِ بیت کے بارے میں کہنے لگے کہ

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　　تو ہے اہلِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

پھر کہنے لگے:

کیا شانِ احمدی کا چمن میں ظہور ہے　　　ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے

''جعلی جز کی کہانی'' مرتبہ حافظ ندیم ظہیر۔

دیکھوں اور اپنے آپ پر خود کو شیدا کروں تو اُس نے اپنے آپ کو ''نور'' میں مٹا کر اپنا نام ''احمد'' رکھا۔ اور اپنے نور کی تجلّی لمسی، یعنی اپنے حبیب کے ظاہری جسم کا نمونہ بنا کر چھونے والی صورت کی طرح عالم ناسوت، یعنی دنیا کے بازار میں آ گیا، اس لیے بالکل فاش الفاظ میں اپنے عشق و محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میرا نور، میرا محبوب ﷺ میری ذات کا جمال ہے اور مجھ میں اور میرے محبوب میں کوئی دوئی نہیں چونکہ میں خود اپنے محبوب کے دیدار میں محو ہو گیا ہوں، اس لیے میری الگ پہچان کرنی بالکل بے سود اور ایک وہم ہے۔ جب تک کہ میرے محبوب کی اوّل پہچان نہ کرو گے تو ''احد'' اور ''احمد'' کے راز کو نہ بوجھ سکو گے۔''

آپ نے غور فرمایا کہ نور من نور اللّٰہ کا پس منظر کس قدر غیر منطقی اور گنجلک ہے کہ ''تثلیث'' کا مفروضہ اختراع کرنے والوں کی طرح کہنا پڑے گا: ''اس کو عقل سے سمجھنے کی کوشش کرنا فضول ہے۔''

''ائمۂ اہل سنت نے اس عقیدے کو ہر دور میں باطل قرار دیا ہے چونکہ اہل بدعت کے اس عقیدہ پر دلیل نہ تھی اور یہ قرآن وحدیث سے متصادم بھی ہے، اس لیے اس پر اہل بدعت کو دلیل پیش کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی تو پھر کیا تھا! ایک دوڑ شروع ہو گئی لیکن دلیل لاتے کہاں سے؟ آخر انھوں نے «أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِي» جیسی روایت وضع کر کے بزعم خویش دلیل کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ چند متاخرین سیرت نگار حضرات نے اس من گھڑت روایت کا انتساب امام عبدالرزاق صنعانی کی طرف کر دیا، اس لیے کہ ان کی کتاب «اَلْمُصَنَّف» اہل علم کے ایک مخصوص حلقہ میں معروف اور متداول تھی لیکن ضخیم ہونے کی وجہ سے عوام کی دسترس سے باہر تھی کہ وہ ان (اہل بدعت) کی مذکورہ من گھڑت روایت کی تحقیق کر لیتے۔ کمال یہ ہے کہ اصحاب سِیَر میں سے جس

نے بھی اس روایت کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے، (بلا تحقیق) بغیر سند کے ذکر کیا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان اصحاب نے یہ روایت خود المصنَّف میں نہیں دیکھی بلکہ نقل در نقل کرتے چلے گئے۔

بہرحال ایسی ہی بے اصل روایات اور ان کی بودی تشریحات کی بنیاد پر اشرف الانبیاء، سید البشر حضرت محمد ﷺ کی بشریت کی نفی اور ''مجسم نور'' ہونے کا اثبات شاعروں کا روایتی اور مرغوب ترین موضوع بن گیا، جیسے:

''محمدؐ'' وہ جمالِ اوّلیں وہ ''پیکرِ نوری''
''محمدؐ'' کاشفِ سرِّ ظہور و رمز مستوری
(حفیظ جالندھری)

تمھارے جلوۂ رخ میں جھلک ہے ''نورِ خالق'' کی
مرے اس قول پر صادق حدیثِ ''مَنْ رَّاٰنِي'' ہے
(نظامی بدایونی)

عرش و کرسی جب عدم تھے جلوہ گستر کون تھا؟
سامنے خالق کے جز ''نورِ پیمبرؐ'' کون تھا؟
(تسلیم لکھنوی)

حیرت ہے کہ برصغیر میں اپنے آپ کو توحیدی مکتب فکر کے حامل گردانتے والے مولانا قاسم نانوتوی بھی اس گنجلک نظریہ کے حامی نظر آتے ہیں جب وہ کہتے ہیں:

سب سے پہلے مشیّت کے انوار سے نقشِ روئے محمدؐ بنایا گیا
پھر اسی نقش سے مانگ کر روشنی بزمِ کون و مکاں کو سجایا گیا

متصوّفانہ نظریہ ''وحدت الوجود'' نصاریٰ کے ''تثلیث'' اور عجمی فلسفۂ ہمہ اوست [1] کے زیر اثر تجسیمِ باری تعالیٰ بصورت حضرت محمد ﷺ کے مضمون باندھے جانے لگے۔ جیسے:

خدا کی صورت کوئی نہیں اور خدا کی صورت کوئی اگر ہے
تو وہ حریفِ نقوشِ تصویر، تیری صورت میں جلوہ گر ہے
(تاجور نجیب آبادی)

غلافِ کعبہ میں جس نور کا لمعہ دیکھا
مدینہ میں وہ بچشمِ یقیں برملا دیکھا
(ذکی دہلوی)

طورِ سینا کی تجلی ہے مگر ٹھنڈی ہے
حُسنِ حضرتؐ میں یہ اِک اور اچنبھا دیکھا
(تمنا مراد آبادی)

ستم در ستم یہ کہ پھر تو کھلے بندوں اور صریح و صاف لفظوں میں ''ابن اللہ'' کی ریس میں توحید کے سراسر منافی یہ دعوے کیے جانے لگے:

وہی جو مستویٔ عرش تھا ''خدا'' ہو کر
اتر پڑا وہ مدینے میں ''مصطفیٰ'' ہو کر
(عاصؔی غازی پوری)

---

[1] اسی باطل نظریہ کے زیر اثر ہی تو بعض مسلمان شعراء نے بظاہر ''حمد'' لکھتے ہوئے یوں ٹھوکر کھائی ہے:

میرا فیروز نام ہے، تیری تلاش کام ہے ''اللہ'' یا کہ ''رام'' ہے مجھ کو تری تلاش ہے

انسان کے خاکی پیکر میں اب شافعِ محشر آتے ہیں
جو دونوں جہاں کے مالک ہیں وہ بھیس بدل کر آتے ہیں
(نجم آفندی)

نازل ہے زمیں پہ کبریائی
بندے کے لباس میں "خدائی"
(مُحسن کاکوروی)

ع ہے مرا ظاہر محمد اور باطن ہے خدا
(غمگین دہلوی)

ع دیدار خدا کا ہے دیدار محمد کا
(عالمگیر کیف)

ع وصال خدا کا ہے وصال محمد کا
(آغا داود صحو)

اس قسم کی لغزش زیادہ تر صحیح اسلامی تصورات سے ناواقفیت اور غلو کا نتیجہ ہوتی ہے۔ نبوت و رسالت کا کمال اس میں نہیں کہ بندے کو خدا بنا دیا جائے بلکہ اس کا اصل کمال یہ ہے کہ نبی بشریت میں ہوتے ہوئے عبدیت اور بندگی کا ایسا کامل نمونہ ہو کہ اس کے بعد کا کوئی اور درجہ تصور میں نہ آ سکے۔ قصہ کوتاہ حضرت محمد ﷺ کو احمد بے میم (احد) اور عرب بلا عین (رب) کہنا انتہائی گمراہی اور کفر و شرک ہے۔ لیکن ہمارے شعراء نے لفظی صنعت گری سے کام لیا ہے۔

ڈاکٹر اشفاق رقمطراز ہیں:

اس قسم کے مضامین سے اردو ادب کا نعتیہ کلام پُر ہے۔ جن میں الفاظ کو توڑ مروڑ کر،

یعنی میم کے حرف کو احمد سے ہٹا کر ''احد'' بنا دیا گیا ہے۔ اور عین کے حرف کو ''عرب'' سے ہٹا کر رسول اللہ ﷺ کو عرب بلا عین، یعنی ''رب'' کی ہستی کے طور پر جلوہ گر دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔''

اس قسم کی نعت گوئی حد سے متجاوز اور دین کے دائرے سے باہر ہے۔ اگرچہ اس قسم کے افکار و اقوال کی صفائی میں کہا جاتا ہے کہ یہ عقیدت کی رو میں بہہ کر حالت سکر میں وارد ہوتے ہیں، لہٰذا ہم انھیں قابلِ مؤاخذہ نہیں سمجھتے، حالانکہ دربار نبوی ﷺ میں صحو و سکر کی کوئی حیثیت اور بحث نہیں۔

دراصل نعتوں میں ایسے اشارے کنائے جن سے اللہ اور رسول ﷺ اور توحید و رسالت کے مقام میں واضح فرق نظر انداز ہو جائے، اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت اور شرک ہے۔ ممتاز حسین کہتے ہیں: اللہ اور بندے کا فرق اسلام کے بنیادی تصورات میں سے ہے۔ رسول کی بشریت پر قرآن نے اور خود رسول اللہ ﷺ نے بار بار زور دیا ہے۔ ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ کے الفاظ اس پر شاہد ہیں۔ ہمیں نبی ﷺ کی یہ حدیث مبارک بھی پیش نظر رکھنی چاہیے: ''مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جیسا کہ عیسائیوں نے ابن مریم کو حد سے بڑھایا۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔''[1]

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول کہلوانا مرغوب و محبوب تھا اور عبدیت ان کا اعزاز تھا مگر غالی حضرات کو انبیاء علیہم السلام کے مقامِ عبودیت اور بندگی سے نہ جانے کیوں چڑ اور انکار رہا ہے، حالانکہ تمام ملائکہ اور جن و انس اللہ تعالیٰ کی بندگی پر نازاں ہیں۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنھیں نصاریٰ نے مقامِ بندگی سے نکال کر شانِ الٰہی پہ متمکن کر دیا، بصد افتخار و انبساط دعویٰ کناں ہیں:

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 3445.

﴿قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۪﴾

(عیسیٰ علیہ السلام نے) کہا: ''میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اسی نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اور میں جہاں ہوں، مجھے صاحب برکت کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں نماز وزکاۃ کا حکم دیا ہے۔''[1]

﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس پہلے ہی لفظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس غلط فہمی کا ازالہ کردیا کہ اگرچہ میری پیدائش معجزانہ انداز سے ہوئی ہے مگر میں اللہ نہیں، اللہ کا بندہ ہوں تاکہ لوگ میری پرستش میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ بقول شاعر

متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزو مندی
''مقامِ بندگی'' دے کر نہ لُوں ''شانِ خداوندی''

نبیٔ رحمت للعالمین علیہ الصلاۃ والسلام جب معراج کی رات مقامِ قرب کی انتہا تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا: اے سراپا ستائش وخوبی! میں آج تجھے کس اعزاز سے مشرف کروں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی: مجھے اپنا بندہ ہونے کا شرف عطا فرما۔ شاید یہی حکمت ہے کہ جس آیت میں معراج کا ذکر ہے وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عبدہٖ کا لفظ مذکور ہے۔[2]

---

[1] مریم 19:30، 31۔ [2] ضیاء القرآن۔

مشرکینِ مکہ اور عقیدۂ ربوبیّت

مشرکین عرب جنھوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی زبردست مخالفت کی، ان کے عقائد پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ توحیدِ ربوبیت کے قائل تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو پوری کائنات کا نہ صرف خالق و مالک بلکہ ''رازق'' بھی جانتے تھے۔ بمطابق عبارت قرآنی:

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾

ذرا ان مشرکوں سے آپ یہ کہیے کہ بتلاؤ
دیا کرتا ہے کون ارض و سما سے رزق تم سب کو؟

﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ﴾

تو وہ لوگ آپ کو بے شک یہی دیں گے جواب اس کا
کہ سرانجام دینے والا ان کاموں کا ہے ''مولا'' [1]

ثابت ہوا کہ جب مشرکین عرب سے پوچھا جاتا تھا کہ تمھیں رزق کون دیتا ہے؟ تو وہ بلا تامل کہہ دیتے تھے ''اللہ'' لہٰذا وہ توحیدِ ربوبیت کا انکار نہیں کرتے تھے۔ ان کا انکار اصل میں توحیدِ الوہیت سے تھا جب وہ کہتے تھے:

﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝﴾

---

[1] یونس 10:31.

''کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا ڈالا، یہ تو بڑی عجیب بات ہے!''①

یعنی کیا اس نبی نے اتنی ساری ہستیوں کے بجائے صرف ایک ہستی ہی کو مقام و مرتبۂ الوہیت دے دیا ہے کہ صرف اسی ایک اِلٰہ کی بندگی کی جائے۔

چنانچہ توحیدِ الوہیت ہی اہل مکہ اور پیغمبر اسلام ﷺ کے درمیان جھگڑے کا باعث تھی۔ وگرنہ اس اعتبار سے ان کا عقیدہ موجودہ دور کے سادہ لوح مسلمانوں سے بہتر تھا کہ وہ کم از کم روزی کا دینے والا تو ایک اللہ ہی کو سمجھتے تھے جبکہ موجودہ دور کے نعت گو شعراء کو دیکھیے جو پہلے تو کہتے ہیں:

نہ مال اولاد دا صدقہ، نہ کاروبار دا صدقہ
اسیں تے کھانیں آں یارو! خدا دے یار دا صدقہ

لیکن بعدازاں مزید مبالغہ کرتے ہیں تو یوں گویا ہوتے ہیں:

رب ہے ''معطی'' یہ ہیں قاسم②
رزق اس کا ہے، کھلاتے یہ ہیں
(احمد رضا خاں)

---

① صٓ 38:5.

② یہ بات رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے ایک ٹکڑا «أَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ مُعْطِي» سے ماخوذ ہے۔ لیکن علمی خیانت کی انتہا دیکھیے کہ جو حدیث تقسیمِ علم پہ مبنی تھی اسے تقسیمِ رزق پہ چسپاں کر دیا۔ مکمل متن ملاحظہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ اور بے شک میں تو تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ ہی عطا فرمانے والا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث : 3116، وصحيح مسلم، حديث : 1037) نیز تاریخ اسلام اور احادیث رسول ﷺ شاہد ہیں کہ شعب ابی طالب میں کفار مکہ کے سماجی بائیکاٹ کے دوران میں ہاشمی »

حتیٰ کہ درجہ بدرجہ غلو میں بڑھتے ہوئے سیدھا اور صاف اعلان کرتے ہیں:

ع ترا کھاواں ترے ہی گیت گاواں یا رسول اللہ

(عبدالستار نیازی)

حالانکہ ایسا کہنے کی جرأت مشرکینِ مکہ کو بھی نہ ہوئی جب بقولہ تعالیٰ ان سے پوچھا گیا:

﴿ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ﴾

بتاؤ تم کہ ہے وہ کون جو پھر تم کو دے روزی؟
اگر مولائے ہستی رزق و روزی روک لے اپنی [1]

تب اس کا جواب خود رازقِ کائنات نے ہی قرآن مجید میں جابجا ارشاد فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ﴾

خدائے پاک تو وہ قادر و مختار ہے جس نے
تمھیں پیدا کیا اور پھر نوازا رزق و روزی سے [2]

نیز وہ لوگ جو اپنی نوزائیدہ اولاد کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے یا جیسا کہ آج کل لوگ خاندانی منصوبہ بندی کرتے اور اسقاطِ حمل کروا دیتے ہیں، صرف اس خوف سے کہ ہماری اولاد کھائے گی کہاں سے؟ انھیں مفلسی کے خوف سے خبردار کرتے ہوئے اپنی رزّاقیت کی نوید یوں سنائی:

» خاندان کے بچے بھوک سے بلکتے رہے، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہاں کئی کئی روز چولہا نہ جلتا اور اصحاب صفہ پیٹ پر پتھر باندھتے رہے۔ اگر نبی ﷺ روزی کے تقسیم کار «قَاسِمُ رِزْقِهٖ» ہوتے تو اپنے اہل بیت اور ازواجِ مطہرات و اصحاب کو بھوکا پیاسا گوارا کرتے؟

① الملك 21:67. ② الروم 40:30.

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ﴾

نیز فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ﴾

بہ خوفِ مفلسی خوں مت کرو اولاد کا اپنی

کہ تم کو اور ان کو رزق دینے والے ہیں ہم ہی [1]

یعنی جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے ﴿نَرْزُقُهُمْ﴾ کہہ کر انھیں سرفہرست کر دیا اور یوں روزی رسانی کی ذمہ داری کی حد کر دی مگر موجودہ مشرکین نے بھی کفرانِ نعمت کی حد کر دی کہ سرے سے اللہ کی رزّاقیت ہی کی نفی کر دی اور روزی کا تقسیم کار رسول اللہ ﷺ کو بنا دیا۔

قصہ کوتاہ مسلمانوں کو بھی شیطان نے وہی فریب دیا جو سابق اقوام، یہود و نصاریٰ کو دیا تھا اور انھیں بھی وہی دھوکہ لاحق ہوا جو ان ''المغضوب'' اور ''الضالین'' اقوام کو ہوا تھا۔ الطاف حسین حالؔی جیسے ملی شاعر نے احادیث رسول ﷺ کی ترجمانی کرتے ہوئے اسی طرف اشارہ کیا ہے:

تم اوروں کی مانند دھوکا نہ کھانا

کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا

مری حد سے رتبہ نہ میرا بڑھانا

بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا

سب انساں ہیں واں جس طرح سرفگندہ

اسی طرح ہوں میں بھی ایک اس کا بندہ

---

[1] الأنعام 151:6 و بنیٓ إسرآءیل 31:17.

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم
نہ کرنا مِری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

کرے غیر گر بُت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہرِ سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

(مسدسِ حالی)

کسی شاعر نے اپنے کلام میں ''صنم پرستوں'' اور ''قبر پرستوں'' کا موازنہ کیا خوب کیا ہے:

ایک ہی ''پربھو'' کی پوجا ہم اگر کرتے نہیں
ایک ہی دربار پہ سر آپ بھی دھرتے نہیں

اپنی سجدہ گاہ دیوی کا اگر ''استھان'' ہے
آپ کے سجدوں کا مرکز بھی تو ''قبرستان'' ہے

اپنے ''دیوتاؤں'' کی گنتی ہم اگر رکھتے نہیں
آپ بھی ''مشکل کشاؤں'' کو تو گِن سکتے نہیں

جتنے ''کنکر'' اتنے ''شنکر'' یہ اگر مشہور ہے
جتنے مُردے اتنے سجدے آپ کا دستور ہے

اپنے دیوی دیوتاؤں کو ہے گر کچھ اختیار
آپ کے ولیوں کی طاقت کا بھی ہے کوئی شمار؟

وقتِ مشکل ہے اگر نعرۂ جے بج رنگ بلی
آپ کو دیکھا لگاتے نعرۂ حیدر یا علی

رکھتا ہے اوتار ''پربھو'' اپنا گر ہر دیس میں
آپ نے سمجھا خدا کو مصطفےٰ کے بھیس میں

جس طرح ہم ہیں بجاتے مندروں میں گھنٹیاں
مرقدوں پہ آپ کو دیکھا بجاتے تالیاں

ہم بھجن کرتے ہیں گا کر دیوتا کی خوبیاں
آپ ہیں قبروں پہ گاتے جھوم کر قوّالیاں

ہم چڑھاتے ہیں بتوں پر کھانا پانی دودھ دھار
آپ قبروں پر چڑھاتے دیگ و چادر بے شمار

پنڈتوں کو حرفِ آخر گر سمجھنا ہے ضلال
پیر اور امام کی تقلید ہے کیونکر کمال؟

بُت کی پوجا ہم کریں، ہم کو ملے نارِ سقر
آپ پوجیں قبر کو، کیونکر ملے جنت کا گھر؟

کتنا ملتا جُلتا میرا آپ سے ایمان ہے
آپ کہتے ہیں مگر ہم کو کہ ''بے ایمان'' ہے

شرکیہ اعمال سے گر غیر مسلم ہم ہوئے
پھر یہی اعمال کر کے کیسے مسلم تم رہے؟

تم بھی مشرک ہم بھی مشرک معاملہ جب صاف ہے
جنتی تم دوزخی ہم، یہ کہاں انصاف ہے!

مذاہبِ عالَم اور دینِ حق

ہندومت

ہندومت دنیا کے قدیم مذاہب میں سے ہے۔اس کے پیروکار وہم وخرافات کا شکار اور فرضی دیوتاؤں کے پابند تھے۔ یہی وہمی رسوم، رسومِ عبودیت اور شعائرِ مذہب بن گئیں جن میں آگے چل کر فلسفیانہ خیالات، فرضی قصے کہانیاں شامل ہوتے گئے۔ ان سب کے مجموعے کا نام ہندو مذہب ہو گیا۔ یہ لوگ فتح ونصرت کے لیے غیر محسوس اور غیر مرئی قوتوں سے مدد طلب کرتے تھے۔ یہ مذہب تناسخ، چڑھاوا اور برہمن کی فضیلت کے گرد گھومتا ہے۔ ہندو مذہب کا یہ فلسفہ ہے کہ ہر چیز میں خدا ہے۔[1]

بدھ مت

بدھ مت سے قبل ہندو معاشرے میں فرضی دیوی دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی۔ نجات کی اجارہ داری مذہبی ٹھیکے داروں کے قبضے میں تھی۔ جب تک بے شمار معبودوں کو خوش نہ رکھا جائے، دنیوی زندگی کی راحت ومسرت محال تھی جنھیں خوش کرنے کی کنجی مذہبی پیشواؤں کے قبضے میں تھی۔ فرضی قصے کہانیاں اور تصوراتی معبود، انسانی ذہن پر چھائے

---

[1] یہی وحدت الوجود یا ہمہ اُوست کا نظریہ ہے جس کے بعض مسلم صوفیاء بھی قائل ہو گئے اور وجودی کہلائے، حالانکہ یہ عقیدۂ توحید اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے۔

ہوئے تھے۔ ننگ دھڑنگ سادھوؤں اور بیکار مذہبی اجارہ داروں کی فوج ظفر موج بیچارے محنت کش طبقوں کی خون پسینے کی کمائی ہڑپ کر جاتی تھی۔

بدھ مت کے رہنما مہاتما گوتم بدھ کا عظیم کارنامہ یہ تھا کہ اس نے مظلوم اور دکھی لوگوں کو زبان کھولنے کی جرأت بخشی اور ایک مؤثر صدائے احتجاج بن کر ابھرا۔ بدھ کی اصل تعلیمات کو بعد کی آمیزشوں سے جدا کر کے دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس نے شرک اور بت پرستی پر چوٹ لگائی اور بے شمار فرضی دیوتاؤں کے تصور کو باطل قرار دیا۔ ذات پات کے چکر سے انسان کو آزاد کیا۔ خرافات کا خاتمہ کیا۔ نجات کے لیے ناقابلِ فہم نذر و نیاز کا عقیدہ توڑا۔ بدھ کا پیغام پیچیدہ عبادات سے خالی تھا بلکہ یہ سادہ، واضح اور عوامی ضابطہ اخلاق پر مبنی تھا مگر افسوس کہ گوتم بدھ کی موت کے بعد ساتویں صدی عیسوی میں بدھ مذہب کے اندر جادو، منتر، ٹونے ٹوٹکے، دیومالائی وہم وخرافات حتیٰ کہ بُت سازی وبُت پرستی جیسی بدعتی رسوم داخل ہو گئیں۔ جلد ہی مہاتما بدھ کی مورتی کو بھی پوجا جانے لگا۔ اسے وشنو کا اوتار مان کر بشریت سے ماورا قرار دے دیا گیا اور یہ نظریہ قائم کیا گیا کہ اگرچہ وہ بظاہر انسان ہیں مگر اُنھیں الوہیت کا مقام حاصل ہے۔[1] اسی طرح یہ سادہ سا اخلاقی ضابطہ شرک وبت پرستی کا آمیزہ بن گیا۔

زرتُشت

زرتُشت بظاہر ثنویت، یعنی دو خداؤں، یزداں (خالق خیر) اور اہرمن (خالق شر) پر

[1] جیسے ہمارے ہاں بھی رسول اکرم ﷺ کے بارے میں مختار مجازی کا تصور گھڑ لیا گیا، مثلاً:

مختارِ کارخانۂ قدرت ہیں مصطفی
ہے اُن کو اختیار سپید و سیاہ کا
(بے خود دہلوی)

اعتقاد کا مذہب ہے۔ لیکن اپنی ابتدائی تعلیمات کی رُو سے یہ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی ذات وصفات اور آخرت کی زندگی کے واضح تصور پر مبنی مذہب تھا لیکن لوگوں کی شرک پسندی اور اوہام پرستی کی وجہ سے موجودہ پارسیوں کا مذہب آتش پرستی اور مجوسیت بن کر رہ گیا ہے۔

یہودیت

یہودیت دنیا کے قدیم مذاہب میں سے ہے۔ یہودیوں کے خیال میں اس مذہب کی ابتدا ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی ہے مگر قرآن پاک نے یہ کہہ کر ان کے قول کا رد کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ وہ تو مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ ماہرین مذاہب نے یہودی مذہب کی یہ تعریف لکھی ہے:

> ''یہودیت وہ مذہب ہے جس میں اللہ پر ایمان کے ساتھ ساتھ اپنی نسل کی برتری اور فضیلت وعظمت کا عقیدہ بھی داخل دین ہے۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کے بیٹے اور چہیتے کہتے ہیں۔''

حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جو اسرائیل کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے فرزند یہودا کے نام پر مذہب یہودیت موسوم ہوا۔ بنی اسرائیل وراثتاً مؤحِّد تھے مگر مصر کے طویل قیام کے زمانے میں ان میں مصری دیوتاؤں، حیوانات اور دوسرے جعلی معبودوں، جیسے ''بعل'' اور ''گائے کے بچھڑے'' کی پرستش کا مرض پیدا ہوگیا، پھر یہ جہاں کہیں گئے، مقامی لوگوں کے شرک سے متاثر ہوگئے۔ بنی اسرائیل میں ہزارہا نبی مبعوث ہوئے۔ ان سب نے توحید کا درس دیا مگر یہ قوم سنبھلنے کے بعد پھر بگڑ گئی۔

عیسائیت

جس طرح انبیائے بنی اسرائیل کے پیش کردہ دین کو یہودیت کا نام ملا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے مجموعہ کو بھی عیسائیت کا نام دیا گیا، حالانکہ تمام پیغمبروں کی دعوت اسلام ہی کی طرف تھی۔

عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے یہودی قوم اخلاقی اور مذہبی پستیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گر چکی تھی۔ ان کے علماء پیٹ پوجا کرنے والے مشائخ، مادہ پرست اور عوام توہم پرست ہو چکے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے پیغام سے ان کا تعلق برائے نام رہ گیا تھا وگرنہ انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام 33 برس کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔ انھوں نے دیگر انبیاء کے مانند توحیدِ الٰہی کا پرچار اور بدعات کا ردّ کیا۔ یہودی علماء ومشائخ کی جاہ پرستی، شکم پروری اور دنیا داری پر شدید تنقید کی جسے وہ ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہ کر سکے اور سزائے موت کا حکم صادر کروا کے اسے صلیب پر چڑھانے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا:

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾

”نہ ہی انھوں نے اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی اُسے سولی پر چڑھایا ہے۔“[1]

﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾

”بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا ہے۔“[2]

تاریخ مذاہب پر گہری نظر ڈالنے والے جانتے ہیں کہ دنیا کی اکثر مشرک قوموں میں تثلیث کا عقیدہ کسی نہ کسی رنگ میں ضرور کارفرما رہا ہے۔

---

[1] النسآء4:157۔ [2] النسآء4:158۔

* قدیم ''مصریوں'' میں اس کے ارکان یہ ہوتے تھے۔ ① سینت ② ہورس ③ شو۔ پہلا خشک سالی کا دیوتا، دوسرا برسات کا اور تیسرا ہوا کا۔
* اہل ''بابل'' کے ہاں: ① اتّو ② ایاّ ③ بیل۔ پہلا آسمان کا دیوتا، دوسرا پانی اور تیسرا زمین کا۔
* ہندوستان میں: ① برہی ② وشنو ③ شو۔
* یونان میں: ① زیوس (Zues) ② پوزیڈان (Poseidon) ③ ہیڈس (Hades)
* اور رومیوں میں: ① جوپیٹر (Jupiter) ② نیپچون (Neptune) ③ پلوٹو (Pluto)
* اسی طرح پنج تن کا عقیدہ بھی مختلف قوموں میں کارفرما رہا ہے، جیسے قوم نوح کے پانچ بزرگ: ① وَدّ ② سواع ③ یغوث ④ یعوق ⑤ نسر تھے۔ سکھ قوم میں بھی پنج پیارے ہیں (اور شاید وہیں سے یہ عقیدہ ہمارے ہاں بھی در آیا ہے۔)

دینِ حق

تخلیق کائنات سے قبل اللہ کے سوا کوئی شے موجود نہ تھی، پھر اس قدیم ولم یزل نے، جو جملہ مخلوقات کا خالق ہے، ہوا اور پانی کو پیدا فرمایا اور اپنا عرش پانی پر قائم کیا، پھر آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ستاروں سے مزیّن فرمایا اور عرش پر متمکن ہوا۔ زمین و آسمان کی پیدائش کے بعد تخلیقِ ملائکہ ہوئی جو ہمہ وقت اور دائمی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے اور تا قیامت رہیں گے۔ تخلیق ملائکہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنات پیدا فرمائے۔ اور ان کا ٹھکانہ زمین کو ٹھہرایا جہاں انھوں نے اپنی بستیاں بسا لیں۔ جب جنات زمین پر فساد پھیلانے اور باہم قتل و غارت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ایک گروہ کو وہاں بھیجا جس نے زمین پر

ہلاکت خیزیوں اور فساد میں ملوث جنات کو سمندری جزیروں کی طرف بھگایا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ایک اور افضل مخلوق انسان کو پیدا فرمانے کا فیصلہ کیا اور فرشتوں سے فرمایا:

﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾

''بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''[1]

اسی طرح فرشتوں کو تخلیق آدم اور زمین پر ان کی اولاد کی خلافت کی خبر دی۔ آدم سے قبل چونکہ جنات روئے زمین پر آباد تھے اور انھیں خون ریزیوں میں مبتلا پایا، اس لیے فرشتوں نے گمان کیا کہ زمین پر پیدا ہونے والی کوئی دوسری مخلوق بھی جنات کی طرح فسادی ہی ہوگی۔ اس پر انھوں نے عرض کیا کہ آیا تو زمین پر ایسے کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو وہاں فساد پھیلائے اور خون بہائے جبکہ ہم ہر وقت تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر انھیں اپنے علم کامل اور حکمتِ بالغہ سے آگاہ کیا:

﴿اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

''بے شک میں وہ چیز جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''[2]

جب اللہ تعالیٰ تخلیق آدم فرما چکا اور انھیں فرشتوں اور جنات پر شرف عطا فرمایا تو ابلیس سمیت تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو تعظیمی سجدہ کریں تو ابلیس کے علاوہ تمام فرشتوں نے حکمِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے آدم کو سجدہ کیا لیکن وہ اکڑ گیا جس پر وہ مردود ٹھہرا۔

پھر وہ معافی طلبی کے بجائے انسانوں کو گمراہی کی دلدل میں پھنسانے کے درپے ہوا اور اولادِ آدم کو کائنات کے سب سے بڑے اور ناقابلِ معافی گناہ ''شرک'' میں مبتلا کرنے کی سعی میں جت گیا۔

---

[1] البقرة2:30. [2] البقرة2:30.

شیطان نے انسانوں کو اغوا کرنے کے لیے کوئی بہانہ سوچنا شروع کیا، چنانچہ اس نے انسانوں کو یہ تجویز دی کہ وہ اپنے گزرے ہوئے بزرگوں کی یادگار تصویریں بنالیں تو لوگوں نے اس کی رائے کو پسند کیا اور ان کی تصویریں بنا کر انھیں احترام اور تقدس کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ ایک زمانہ گزر جانے کے بعد لوگوں نے تصویروں کو مورتیوں میں بدل دیا اور ان سے برکت حاصل کرنے لگے اور ان کی تعظیم کرنے لگے اور ان کی اولاد اس ضلالت میں ان سے بھی آگے بڑھ گئی، چنانچہ وہ ان مورتیوں سے حاجات طلب کرنے لگے اور ان کی نذر و نیاز کے لیے جانور ذبح کرنے لگے اور ان سے دعائیں مانگنے کے عادی ہو گئے۔ یوں شرک عام ہو گیا۔

اولاد آدم شرک و بدعت کی انھی تاریکیوں میں ڈوبتی چلی گئی۔ اس دوران میں نوح علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک بے شمار پیغمبرانِ باری تعالیٰ تشریف لاتے رہے اور علمِ وحی سے اپنے اپنے زمانے کو روشن کرتے رہے اور اقوام و ملل کو راہِ ہدایت کی طرف بلاتے رہے لیکن ان کے گزر جانے کے بعد ماحول پھر جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھر جاتا...... حتی کہ طلوعِ اسلام ہوا جس نے تحریف شدہ مذاہب کے غلط سلط نظریات کی نفی کر کے صحیح نظریۂ مذہب کی راہِ صواب سجھائی۔

ربّ العالمین نے سرزمین عرب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی کام کے لیے مبعوث فرمایا جس کے لیے پچھلے انبیاء علیہم السلام آتے رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب عام انسان بھی تھے اور پچھلے انبیاء کے بگڑے ہوئے پیرو بھی۔ سب کو صحیح رویہ کی طرف دعوت دینا، سب کو ازسرنو اللہ کی ہدایت پہنچا دینا اور جو دعوت و ہدایت کو قبول کریں۔ انھیں ایک ایسی امت بنا دینا ان کا کام تھا جو ایک طرف خود اپنی زندگی کا نظام اللہ کی ہدایت پر قائم کرے اور دوسری طرف دنیا کی اصلاح کے لیے جدوجہد کرے۔

اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ

صحرائے عرب سے آفتابِ اسلام کے طلوع ہونے سے قبل دنیا والے ایک بار پھر شرک و کفر کی دلدل میں پھنس چکے تھے۔ اللہ کے گھر ''کعبہ'' کو بت خانہ بنا دیا گیا تھا۔ جاہلیت کے اس عالم میں 9 ربیع الاول بروز سوموار بوقت صبح صادق بمطابق 23 اپریل 571 ء میں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی ولادت عرب کے شہر مکہ میں قبیلہ قریش کے معزز ترین خاندان بنو ہاشم میں ہوئی۔

آپ کا بچپن، لڑکپن اور جوانی نہایت پاکیزہ تھے۔ خواص و عام میں صادق و امین کے لقب سے مشہور تھے۔ شروع سے ہی بت پرستی، شراب نوشی اور ہر قسم کی برائی سے دور اور نفور تھے۔ میلوں ٹھیلوں، ناچ گانے، راگ رنگ کی محفلوں اور لہو ولعب کے مشاغل سے اجتناب کرتے تھے۔ چالیس برس کی عمر کو پہنچے تو آپ تنہائی پسند ہو گئے اور معبود حقیقی کی معرفت کے لیے غور و فکر میں محو رہنے لگے۔ مکہ میں غار حرا آپ کی تنہائیوں کا مرکز تھا۔ اسی غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی۔ آپ ﷺ بتقاضائے بشریت اس منفرد واقعے سے لرزتے کانپتے گھر پہنچے۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دی اور اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے آپ کو ملوایا۔ انھوں نے واقعہ سن کر آپ کی نبوت و رسالت کی شہادت دی۔[1] پہلی وحی کے بعد دوسری وحی اتری جس میں آپ کو کمر ہمت باندھ کر فریضہ انذار ادا کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی واضح کرنے کا

---

[1] صحیح البخاري: حدیث: 3، و صحیح مسلم، حدیث :160.

حکم دیا گیا۔ آپ نے کوہِ فاران پر چڑھ کر سب سے پہلے اپنے قبیلہ قریش کو پکارا۔ لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے پہلے ان سے اپنے صادق و امین ہونے کا برملا اعتراف کرایا، پھر توحید الٰہی کا پیغام پہنچاتے ہوئے فرمایا:

«قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا»

''کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کامیاب ہو جاؤ گے۔''[1]

لوگوں کے لیے آبائی مذہب اور شرکیہ رسوم ترک کرنا شاق تھا، اس لیے وہ اس پیغام کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ سوائے عوامی طبقوں سے تعلق رکھنے والے چند افراد کے کسی نے اسلام قبول نہ کیا۔ قریش کی مزاحمت دن بدن بڑھنے لگی۔ اہل مکہ سے مایوس ہو کر نبی ﷺ طائف تشریف لے گئے۔ وہ لوگ سخت بدسلوکی بلکہ بدتمیزی سے پیش آئے۔ مجبوراً آپ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی جہاں مشرکین و کفار کے علاوہ یہود اور منافقین سے بھی معاملہ پیش آیا، چنانچہ جنگِ بدر سے تبوک تک کے ایک طویل سلسلۂ غزوات کا سامنا کرنا پڑا، تاہم مدینہ میں اسلام کو اپنا ایک وطن، سلطنت و حکومت اور خالص اسلامی معاشرہ میسر آ گیا۔ 6 ھ میں حدیبیہ کا صلح نامہ مرتب ہوا جس میں کفارِ مکہ نے دس سالہ معاہدۂ صلح کیا۔ 8 ھ میں کفارِ مکہ کی عہد شکنی کے نتیجے میں نبی ﷺ نے مکہ کا قصد کیا اور خون خرابے کے بغیر مکہ فتح کر لیا۔ 9 ھ میں نبی ﷺ نے سوا لاکھ مسلمانوں سمیت اپنی زندگی کا پہلا اور آخری حج ادا کیا۔ اس موقع پر میدان عرفات میں خطبۂ حجۃ الوداع کے بعد دین اسلام کی تکمیل کی بشارت ملی اور ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

---

[1] مسند أحمد: 492/3.

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کامل کر دی اور تمھارے لیے ''اسلام'' کو بحیثیت دین پسند کیا۔''[1]

حجۃ الوداع کی ادائیگی کے بعد 12 ربیع الاول بروز سوموار بوقت چاشت مختصر علالت کے بعد «اَللّٰھُمَّ! بِالرَّفِیقِ الْأَعْلٰی» کہتے ہوئے آپ کی پاکیزہ روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔«إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ»

---

① المآئدة 3:5.

محبت رسول ﷺ

اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾

''یہ ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔''[1]

کے تحت پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین اور سید المرسلین بنایا ہے، لہٰذا آپ کی ذات گرامی محبوب رب بھی ہے اور محبوب خلائق بھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا اظہار یوں فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ پر رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے ان کی بلندیٔ درجات کی دعائیں کرتے ہیں۔''

اور ساتھ ہی مومنین و مومنات کو حکم دے دیا کہ

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○﴾

''اے ایمان والو! اس پر درود و سلام بھیجو، خوب سلام بھیجنا۔''[2]

بایں سبب نعت گو شعراء نے رسول اکرم ﷺ سے محبت کو نعت کی اساس اور بنیاد

① البقرة2:253. ② الأحزاب33:56.

کا درجہ دے دیا، اس لیے نعت گو شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ سے والہانہ محبت، عقیدت اور شیفتگی رکھتا ہو۔

شاعر جس قدر آپ کی محبت میں سرشار ہوگا، اسی قدر اس کے کلام میں کیف اور اثر پیدا ہوگا لیکن اگر اس کے دل میں محبت رسول ﷺ کی کسک موجود نہیں تو اچھی اور کیفیت انگیز نعت کبھی نہیں کہہ سکتا۔ نعت کی دل آویزی، دل کشی اور خوبی کے لیے محبت رسول ﷺ شرط لازم ہے وگرنہ نعت روکھی پھیکی سی رہے گی۔ نعت گوئی سرتا سر کاروبار محبت سے تعبیر ہے اور محبت بھی ایسی جس کی وجہ سے محبوب کی ہر ایک ادا پیاری لگتی ہو مگر ایسی مبالغہ آمیز محبت اور مودّت مطلوب نہیں جو رب کی بندگی سے ہی نکال دے، مثلاً: مسرفین نے کہا:

ع تیرے بندے ہیں سب ، کیا عرب کیا عجم

(رُعب انصاری)

ع ہم ہیں عبدِ مصطفیٰ، پھر تجھ کو کیا

(احمد رضا خان)

کامیاب نعت گوئی کے لیے سوز وگداز اور جاذبیت کی ضرورت ہے۔ ذوق وشوق کی کیفیتوں میں ڈوب کر کہی جانے والی نعت کی لَے میں جب محبت کا جذبہ اور الفاظ کی دھڑکنیں ہم آہنگ ہو جاتی ہیں تو شعروں میں سوز و گداز کی ہزار کیفیات چھلک اٹھتی ہیں، مثلاً:

مہکتی رہتی ہیں جس سے مدینے کی گلیاں
علاقہ کیا کسی خوشبو کو اس پسینے سے

(شوکت تھانوی)

ان کی ذات و صفات اک دریا
اور یہ الفاظ میرے مثلِ حُباب
سب میں کچھ کچھ کمی سی لگتی ہے
جو بھی آتے ہیں ذہن میں القاب
(فضلی)

طیبہ کا ہر اک کوچہ کیونکر نہ معطّر ہو
پھیلی ہوئی نکہت ہے سرکارِ دو عالم کی
(حمید لکھنوی)

مگر اس میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جنھوں نے اپنے فکر و نظر کی تربیت کی ہے اور قلب و روح کو احتیاط کا خوگر بنایا ہے وگرنہ جذبات ہمیشہ دامن احتیاط چھوڑ کر ادھر اُدھر نکل جانے کے عادی ہیں۔ تجاوزِ حد کی ایک مثال دیکھیے:

علی الاعلان سِرِّ کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیّاً کہیے
مگر اُس کی شریعت کا ادب مانع ہے کیا کہیے
(حفیظ جالندھری)

چلوں، میں جان حزیں کو نثار کر ڈالوں
نہ دیں جو اہلِ شریعت جبیں کو اِذنِ سجود
ذرا خبر نہ رہی ہوش و عقل و ایماں کی
یہ شعر پڑھ کے وہیں ڈال دی جبینِ سجود
(اصغر گونڈوی)

جبکہ قرآن مجید نے ان لوگوں کی مدح کی ہے جو آداب نبوی ﷺ کی پابندی کرتے ہیں، جیسے فرمایا گیا:

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

''پس ایمان والے تو وہ ہیں جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کی عزت وتوقیر اور نصرت و مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا، یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔''[1]

چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل ملاحظہ ہو کہ وہ نبی ﷺ کی مجلس میں اس طرح بیٹھتے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، البتہ ذرا سی بے احتیاطی اور ادنیٰ سی لغزش ایمان واعمال کو غارت کر دیتی ہے۔

بقول مولوی عبدالحق: نعت میں ایسے مضامین باندھے جانے چاہئیں جو نبی ﷺ کے شایان شان ہوں اور جن کے لکھنے پڑھنے اور سننے سنانے سے لوگوں پر روحانی اور اخلاقی اثرات مرتب ہوں، مثلاً:

محمدِ عربی ہیں محمدِ عربی
کہیں بھی کوئی بھی ایسا دکھائی دیتا ہے؟
وہ انقلاب کہ اسلام جس کو کہتے ہیں
وہ تیرے نطق سے پیدا دکھائی دیتا ہے
(یوسف جمال)

اور یہ:

---

[1] الأعراف 157:7.

قوم جو علم سے تھی بے بہرہ
کھول دی زندگی کی اس پہ کتاب
ان کا پیغام جس نے اپنایا
آگیا اس کی زندگی پہ شباب
آپ ہی کی بتائی وہ نکلی
جب بھی سوجھی کسی کو راہِ صواب

(فضلی)

پلٹ دی جس نے کایا اک نظر میں بزمِ ہستی کی
کوئی اعجاز تھا یا عزمِ مردانہ محمد کا
عرب کا ذرّہ ذرّہ آج تک سرشارِ وحدت ہے
کبھی گردش میں آیا تھا وہ پیمانہ محمد کا

(محوی لکھنوی)

یہ کس نے ساز چھیڑا دہر میں وحدت پرستی کا
ترانے شرک کی تانوں کے مدہم ہوتے جاتے ہیں

(ابراحسن گنوری)

یہ نہیں کہ نعتیہ اشعار سننے کے بعد دل پر یہ اثر ہو کہ کسی شاہد رعنا، خوش رُو، خوش اندام اور نازک بدن محبوب کی تعریف ہے جیسا کہ بقول غلام امام شہید:

قدِ رعنا کی ادا ، جامۂ زیبا کی پھبن
سرگیں آنکھ عجب ، ناز بھری وہ چِتوَن

ادب واحترام کے تقاضے کے پیش نظر ہی نعت میں ایسی عاشقانہ شاعری کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے جو ہندی گیتوں کا انداز لیے ہوئے ہے، مثلاً:

ع مدینے میں مورا پیا بالا ہے رے

اور بزبان پنجابی:

ع اگ لاواں مندراں نوں کلّی یار دی سُرکدا چوٹا

نعت کے مضامین میں ایک نمایاں موضوع جملہ انبیاء علیہم السلام پر نبی ﷺ کی فضیلت کا بیان ہے۔ صحیح اسلامی تصور یہ ہے کہ دیگر انبیاء کی پیغمبرانہ عظمت اور شان رسالت کا شعور رکھتے ہوئے، نیز ان کا پورا پورا احترام کرتے ہوئے نبی ﷺ کی شان فضیلت اور شرف و بزرگی کا ذکر کیا جائے مگر بعض اوقات شاعرانہ زور بیان میں ایسی باتیں ہو جاتی ہیں جن سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی توہین کا پہلو نکل آتا ہے۔ جیسے:

اے سردارِ رسل تیری وہ ہے شانِ بلند
انبیا رہتے ہیں تیرے آستاں پر سر بہ خم
(تاج عرفانی)

اور یہ:

خلیل اس کے گلزار کا باغباں
سلیماں سے کئی مہردار اس کے ہاں
خضر اس کی سرکار کا آب دار
زرہ ساز داود سے واں ہزار
(میر حسن)

ع تجھ در پہ آرزو میں سلیماں مثالِ مُور

(حاتم)

کرے جو ہم سری اس سے کسے تاب

کہ نبیوں سے بڑھ کے ہیں اس کے اصحاب[1]

(سوؔدا)

حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے شرف وفضیلت کا اظہار کرتے ہوئے کسی دوسرے نبی کا ذکر استخفاف کے انداز میں نہیں کیا۔ بقول ریاض الحسن:

''نعت چونکہ الفت رسول اللہ ﷺ کی ولولہ انگیزی اور جوش محبت کی ترجمان ہوتی ہے، اس لیے نعت گو شاعر سرور ومحبت کی بے خودی میں اعتدال کے رستے سے ہٹ جاتا ہے اور دوسرے انبیاء سے رحمتِ عالم ﷺ کا تقابل کرتے ہوئے ایسے الفاظ کہہ جاتا ہے جو درحقیقت نعت رسول (ﷺ) نہیں ہوتے بلکہ ان میں توہینِ انبیاء کا مفہوم مضمر ہوتا ہے جس کی حد یہ ہے کہ نبی ﷺ سے دوسرے نبیوں کا تقابل تو کجا بعض اوقات شاعر انبیاء علیہم السلام کو اپنے مد مقابل بھی ہیچ سمجھتا ہے۔(نعوذ باللہ من ذلك)، مثلاً: عبدالرب نشتر کی یہ جسارت:

ے مرے لحن پر رشک داود کو ہے

مدینے کی گلیوں کا نغمہ سرا ہوں

حالانکہ لحن داودی کو خود قرآن مجید نے ان الفاظ میں قابل تحسین اور مثالی فرمایا ہے کہ ان کے ساتھ پہاڑ اور پرندے بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے تھے بحوالہ قرآن مجید:

﴿إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً﴾

---

[1] کلّیات سوؔدا جلد دوم

"بے شک ہم نے پہاڑوں کو اس کے ہمراہ مسخر کر دیا، وہ دن کے پچھلے پہر اور سورج چڑھنے کے وقت تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی جب کہ وہ اکٹھے کیے ہوتے۔"[1]

طرزِ اظہار

نعت گو شعراء سے طرز اظہار و بیان میں شائستگی کا وہ انداز متقاضی ہے جو نبیٔ اکرم ﷺ کے ادب و احترام کا مظہر ہو۔ نعت کا جو طرز ہمارے شعراء اور نعت خواں حضرات نے اختیار کیا ہوا ہے، اس میں غزلیہ انداز کا نعتیہ کلام بھی ہے جو بہت قابل اصلاح ہے، مثلاً: غزلیہ شاعری میں رندی و مستی و خمریات کا ذکر ملتا ہے، اسی طرح نعت گو شعراء بھی اپنے شرابی ہونے پر ناز کرتے ہیں جیسے:

ع ہاں رند ہوں مگر ہوں ثنا گوئے مصطفیٰ (ﷺ)
(مولا بخش قلق)

کا دعویٰ، نیز ایسی شاعری میں ہر جگہ غزل گوئی کا رنگ نظر آتا ہے، مثلاً:

لٹیں زُلف کی جو گئیں لٹک
تو جہان سارا گیا مہک
ہوئیں مست بلبلیں اس قدر
تو یہ غنچے بولے چٹک چٹک
(عنبر وارثی)

مضامین نعت کے اس غزلیہ طرز اظہار پہ تنقید کرتے ہوئے کم و بیش ہر ناقدِ نعت نے عامیانہ انداز کی ان غزل نما نعتوں کو حقیقی نعتیہ کلام سے فروتر گردانا ہے جو بازاری

---

[1] صٓ 38:18،19.

معشوقوں کے لیے مروّج ہے۔ بھلا نعت کا زلف وگیسو اور خال وخط سے کیا تعلق! ایسی شاعری نعتیہ ادب و احترام کے سراسر منافی ہی نہیں، نا قابل معافی بھی ہے۔ بقول اے ڈی نسیم: یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاعروں نے عام محبوب کی جگہ رسول اللہ ﷺ کا نام رکھ دیا ہے اور زلف و رخسار اور کاکل وگیسو کی تعریف شروع کر دی ہے۔ اس انداز کی نعتوں میں ایسے اشعار بھی مل جاتے ہیں جنھیں اگر نعت کے عنوان سے پیش نہ کیا جائے تو ان پر غزل کا گمان ہوتا ہے۔ گویا نعت پر غزل گوئی کا رنگ غالب ہے، مثلاً: امیر خسرو کے یہ اشعار:

نمی دانم چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم
بہر سو رقصِ بسمل بود شب جائیکہ من بودم
خدا خود میرِ مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد شمعِ محفل بود شب جائیکہ من بودم

اور پیر مہر علی شاہ کا یہ کلام:

مکھ چند بدر شعشانی اے — متھے چمکے لاٹ نورانی اے
کالی زلف تے اکھ مستانی اے — مخمور اکھیں ہن مدھ بھریاں

اس قسم کے اشعار کی مجموعی فضا غزل نما ہے جس میں غزل کے معروف علائم و رموز اور غزل گوئی کی مانوس کیفیت رچی بسی نظر آتی ہے جن میں نعت کا مفہوم اور ماحول کم ہی نظر آتا ہے۔

سید مودودی کہتے ہیں: ”عام نعت گو شعراء جس طرح رسول اکرم ﷺ کو معشوق نازنین تصور کر کے آپ ﷺ کے سراپا کی تفصیل بیان کرتے ہیں، یہ اندازِ کلام سوءِ ادب

ہے۔آپ ﷺ کے شمائل اور محاسن بیان کرتے وقت وقار، متانت، تعظیم اور تقدیس کی روش اختیار کرنی چاہیے۔

انتخاب الفاظ

نعت کے موضوع کی مناسبت سے الفاظ کے انتخاب میں بھی ایک پاکیزگی اور شائستگی ہونی چاہیے۔ نبی ﷺ سے وابستگی اور شیفتگی اس بات کی متقاضی ہے کہ کسی گستاخی یا سوقیانہ پن کا اظہار نہ ہو، مثلاً: عرفی کا ایک شعر ہے:

سایۂ من ہمچو من در ملکِ ہستی امتت
سایۂ تو در عدم پیغمبرِ ہمتائے من

یعنی جس طرح رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہیں تھا، اسی طرح میرا بھی کوئی ثانی نہیں ہے لیکن دوسرے مصرع میں ''پیغمبر ہمتائے من'' لکھنا گستاخی کی حد ہے۔اس طرح عرفی کا ایک اور شعر بھی ہے جو انتہائی فحش اور گندا ہے اور آداب نعت تو دور کی بات ہے، معیاری غزل گوئی کے بھی خلاف ہے، یعنی:

شاہدِ عصمت تلاش صحبتِ من کے کُند
خونِ حیضِ دخترِ رز جوشد از لبہائے من

نعت کے لوازمات میں ادب و احترام کے بہت سے پہلو ہیں جن کا تعلق موزوں زبان و بیان، انتخاب الفاظ، تشبیہ و استعارہ اور انداز تخاطب سے ہے۔نعت کی مجموعی فضا کو ادب و احترام کے ان جذبات عالیہ سے سرشار ہونا چاہیے جن کی نعت متقاضی ہے۔دراصل نعت ہے ہی شان رسالت کا ادب و احترام۔ یہ ایسا نقطۂ مُستنیر ہے جہاں سے صنفِ نعت کے جملہ لوازمات کی شعاعیں پھوٹتی ہیں۔نعت گوئی میں رسول اکرم ﷺ

کا احترام ہی سب کچھ ہے۔نعت گوئی معراجِ دیدارِ حبیب ﷺ کی منزل ہے۔نعت گو، فرشتوں کا ہم زبان اور تمام ارواح مبارکہ کا ہم نوا ہے۔

تشبیہ واستعارہ

نعت کے اظہار میں ایسی تشبیہ یا استعارے سے گریز کرنا چاہیے جس سے نعت کی پاکیزگی اور شائستگی متاثر ہوتی ہو، مثلاً:

دیکھیے ہوگا ''سری کرشن'' کا کیوں کر درشن
سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بے کل
(محسن کاکوروی)

شعر مذکور میں نبی ﷺ کے لیے ''سری کرشن'' (جو ہندوؤں کا دیوتا ہے اور ان کے عقیدے کے مطابق بھگوان کا اوتار ہے) کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے «نعوذ باللہ من ذلك» یہ انتہائی سوءِ ادب ہے۔

اسی طرح اطہر ہاپوڑی کا شعر ہے:

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

اس شعر کے دوسرے مصرع میں نبی ﷺ کو لیلیٰ سے اور گنبد خضریٰ کو خیمۂ لیلیٰ سے تشبیہ دینا رسول اللہ ﷺ کے شایان شان نہیں۔

نعت میں اس طرح کی تشبیہات واستعارات کا استعمال دراصل شاعروں کے فکر وفن پر غزل کے گہرے اثرات کا نتیجہ ہے۔ان کی نعت گوئی میں تغزل کا رنگ اور غزل کے مخصوص علائم ورموز کا استعمال بھی آتا ہے جن کا انداز عامیانہ اور بازاری ہے اور یہ

سوقیانہ مزاج نعت گوئی کے آداب کے خلاف ہے۔

انداز خطاب

نعت میں نبی اکرم ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے دنیوی محبوبوں کے لیے استعمال کیے جانے والے الفاظ جیسے بلم، صنم وغیرہ استعمال کرنا نبی ﷺ کی شان کے سراسر منافی ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ سے تخاطب میں آپ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی لینا، یعنی یا محمد ﷺ کہہ کر خطاب کرنا ادب و احترام کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نبی ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ کے ذاتی نام سے نہیں پکارا بلکہ المدثر، المزمل، النبی اور الرسول کے الفاظ سے خطاب کیا ہے جبکہ دوسرے انبیاء کو مخاطب کرتے ہوئے ان کے ذاتی ناموں ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، زکریا، یحییٰ علیہم السلام سے خطاب کیا ہے، نیز نبی ﷺ کو ''یا محمد ﷺ'' کہہ کر پکارنے والوں کو بیوقوف، نادان اور ''الجاہلون'' کہا ہے، چنانچہ سورۂ حجرات میں ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ ﴾

''بے شک وہ لوگ جو آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔''[1]

مگر اسے کیا کہیے کہ بعض لوگ عاشقانِ رسول (ﷺ) ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں مگر جاہلانہ ضد کے ساتھ کہتے ہیں:

اَساں یا محمد کہنا اے ۔۔۔ تساں اینویں سڑدیاں رہنا اے

لہٰذا اس ضمن میں نعت گو شعراء کو قرآن مجید کے ارشاد ﴿ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ﴾

---

[1] الحجرات 49:4.

(اور ان کی تعظیم وتوقیر کرو) کی پیروی کرنی چاہیے۔

حقیقت نگاری

تخیل اور محاکات عام شاعری کے عناصر ترکیبی ہیں اور ندرت و مبالغہ روحِ رواں ہے، جب تک عمومی شعر میں تخیل کی مینا کاری اور مبالغہ کی رنگ آمیزی نہ ہو، شعر ایک بادۂ بے کیف، گُل افسردہ اور شمع بے لَو بن کر رہ جاتا ہے۔ مگر نعتیہ شاعری میں تخیل کی نادرہ کاری و جدّت طرازی اور مبالغہ کی حسن آرائی شجرِ ممنوعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ نعت میں کوئی ایسا مضمون جو واقعیت کے خلاف اور اصلیت کے منافی ہو، جس کی اساس محض خیال اور آرائشِ مبالغہ پر ہو، نعت کے جادۂ جمال کو غبار آلود کر دیتا ہے اور نعت اظہار عقیدت کے بجائے شعر کی کیف آفرینی کا مظہر بن جاتی ہے، مثلاً:

قربان ہو اِس بندگی پہ لطفِ رہائی
یوں بندہ بنا کر ہمیں زنداں سے نکالا
(حسن رضا بریلوی)

نعت درحقیقت محبت رسول ﷺ کی نغمہ سنجی و ترانہ سرائی کا نام ہے، اس لیے اس میں صداقت مضمون اور واقعیتِ مفہوم کے سوا کسی شے کی گنجائش نہیں۔ شریعتِ اسلامیہ میں چونکہ ''حدود'' کی رعایت کی بہت زیادہ اہمیت ہے، لہٰذا ایسا مبالغہ جو جھوٹ ہو، روا نہیں، مثلاً:

جسے چاہے کرے ناجی جسے چاہے کرے ناری
محمدؐ مالک و مختار ہے سرکار کے گھر کا [1]
(امانت لکھنوی)

---

[1] نبی ﷺ تو کجا ہمارے شاعروں نے تو پیروں کو بھی جنت دوزخ کا مالک بنا دیا ہے۔

اس شعر میں شاعر حدود پھلانگتے ہوئے نبی ﷺ کو اللہ کے درجے میں پہنچا کر خود شرک کی دلدل میں پھنس گیا۔

اسی کا ہے نام آج سب کی زباں پر
حکومت اسی کی ہے دونوں جہاں پر
شجر پر حجر پر مکیں پر مکاں پر
فلک پر ملک پر زمیں پر زماں پر [1]
(امجد حیدر آبادی)

ایسے اشعار رسول اللہ ﷺ کو مقام نبوت ورسالت سے اُٹھا کر الوہیت میں داخل کر دیتے ہیں جو بالکل جائز نہیں اور ان کے ڈانڈے شرک سے جا ملتے ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

"اللہ زمین و آسمان کا نور ہے۔"

پیرانِ سہروردی و چشتی و قادری
قاسم ہر ایک ان میں ہے فردوس و نار کا
(کلب علی نواب)

[1] بقول شاعر:

زمین و زماں تمھارے لیے مکین ومکاں تمھارے لیے
بنے دو جہاں تمھارے لیے ہم آئے یہاں تمھارے لیے

حالانکہ قرآن مجید میں نص صریح ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ "اور میں (اللہ) نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔" (الذّٰریٰت 56:51)

یعنی زمین و آسماں کی ہر چیز اللہ ہی کے نور سے روشن ہے جبکہ شعراء غلو سے کام لیتے ہیں جیسے:

ع تھا نور ترا مظہرِ ارضین و سماوات

(مرزا عزیز لکھنوی)

ع چاند ، سورج روشنی پائیں تمھارے نور سے

(محمد قلی قطب شاہ)

ع زمین و آسماں اور چاند سورج ، عرش اور کرسی
ظہور اس عالمِ ہستی میں ہے سارا محمد کا

(سرور لاہوری)

کیا شانِ احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے

(گمنام)

اور بات اسی انتہا پہ ختم نہیں ہوتی بلکہ (تثلیث کے نظریہ "ایک میں تین" کی طرح) وحدت میں کثرت کا گنجلک نظریہ شعراء نے یوں پیش کیا ہے:

زہے صنعت بنایا پنجتن کو نُورِ واحد سے
دکھایا لطف صانع نے عجب وحدت میں کثرت کا

(نسیم بھرتپوری)

شاعروں کی بو العجبیاں دیکھیے کہ انھوں نے یہاں تک غلو کیا ہے کہ پہلے تو نور محمدی ﷺ کا ذکر کیا، پھر پنجتن کو نور نہاد قرار دیا اور مزید آگے بڑھے تو تمام اہل بیت کو

ہی نوری مخلوق قرار دے دیا، مثلاً:

تیری نسلِ پاک میں ہے بچّہ بچّہ نور کا
تو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانہ نور کا

(مولانا احمد رضا خان)

کچھ اور آگے بڑھے تو اہل بیت میں سے علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت یوں بیان کی:

ہے یہی فخرِ رسولانِ سلف
جانشین ان کا علی شاہِ نجف
ہے لقب جس کا امیر المومنین
شیرِ حق، استادِ جبریلِ امیں
وہ ولیِ حق ہے اور دستِ خدا
وہ نہیں ہے "نورِ احمد" سے جُدا

(لائق)

اِن دو کے سوا کون سہارا ہے ہمارا
یا شاہِ نجف لیں گے خبر یا شہِ لولاک

(اسیر لکھنوی)

چاہیے تو یہ کہ تخلیق نعت کے دوران میں شاعر تخیل کی پرواز کو شرعی حدود قیود کے اندر رکھے اور حقیقت محمدی کے بیان میں عقائد کی تفصیلات و جزئیات تک کی صحت کا خیال اور نبی ﷺ کی تعلیمات کو پیش نظر رکھے۔ آپ سے محبت میں آشفتگی کے بجائے شیفتگی اور شوریدگی کے بجائے سپردگی کا مظاہرہ کرے۔ آپ ﷺ کے ذکر میں جوش کے ساتھ ہوش کو بھی ملحوظ رکھے۔ نبی ﷺ سے عقیدت و محبت کے ساتھ سیرت طیبہ پر گہری نظر،

تعلیمات رسالت سے قلبی تعلق، پیکر رسالت سے دل بستگی، مقصد بعثت سے آگاہی، شعورِ مقام رسالت، دینی امور و مسائل سے واقفیت، تزکیۂ قلب ونظر، روح کی طہارت، عقیدے کی پختگی، دل ونظر کی سلامتی، جذبات کی صحت وصداقت اور تاریخِ عہدِ رسالت سے بہرہ ور ہو۔

نعت ایک مقدس آزمائش ہے، لہٰذا حزم واحتیاط کی قدغن اور نصِّ قرآنی کی پابندی قدم قدم پر پیش نظر رہے۔

نعت کی قسمیں

نعت پر ہندی اثرات کے سبب بعض شاعروں نے گیت، راگ اور دوہے کے انداز کو بھی نعت کے لیے استعمال کیا ہے۔نعت کا موضوع شاعری کی کسی ایک صنف سے مخصوص نہیں، نبیٔ اکرم ﷺ کی توصیف اوران کی سیرت کا تذکرہ شعر کی کسی بھی صنف اور ہیئت میں ہوسکتا ہے۔اگرچہ عام طور پر نعت سے مراد نبی ﷺ کی منظوم مدح ہی لی جاتی ہے اور مروّجہ مفہوم میں اس کا تعلق نظم ہی سے ہے، البتہ اس کے لیے قصیدے اور مثنوی کی ہیئت بھی استعمال کی گئی ہے، چنانچہ اگر نعت کا حقیقی تجزیہ کیا جائے تو اس کی دو واضح قسمیں نظر آتی ہیں۔

رسمی نعت

رسمی نعت کے ذیل میں وہ نعتیں آتی ہیں جو محض ایک شعری روایت کے طور پر لکھی گئی ہیں۔شعراء اپنے دیوان کا آغاز حمد ونعت سے کرتے ہیں، اس روایت کو برقرار رکھنے کے لیے کم وبیش ہر شاعر نے نبیٔ اکرم ﷺ کی نعت میں دو چار اشعار ضرور کہے ہیں یہاں تک کہ غیر مسلم شاعروں نے بھی اپنے شعری مجموعوں کے آغاز میں چند نعتیہ اشعار

لکھ کر اس روایت کو قائم رکھا ہے، مثلاً:

وہ ابوالقاسم ، احمدِ مختار
جن کی ہے شان ، شانِ ربانی
شہِ دنیا و دیں ، وزیرِ خدا[1]
ان پہ مبذول لطفِ یزدانی
(سرکشن پرشاد شاد)

تو ہے محبوب ، خدا چاہنے والا تیرا
مرتبہ سارے رسولوں میں ہے بالا تیرا
عفو ہو جائیں گی محشر میں خطائیں ساری
داورِ حشر کو دوں گا میں حوالہ تیرا
(پیارے لال رونق)

صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں
عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
مجھ گنہگار کو بھی حشر میں جنت ہو نصیب
کملی والے کا کہیں اس میں اشارہ تو نہیں
سارے عالم کے لیے بہرِ نجات آیا تھا
احمدِ پاک سحر صرف تمھارا تو نہیں
(کنور مہندر سنگھ بیدی سحر)

[1] حالانکہ اللہ کا کوئی ''وزیر'' نہیں ہے۔ بقولہ تعالیٰ «لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ»

جب جھولیاں بھر بھر کے لاتے ہیں جہاں والے
ہم جا کے نہ کیوں مانگیں خیرات مدینے میں
سنتے ہیں کہ بنتی ہیں بگڑی ہوئی تقدیریں
راس آئیں گے ہم کو بھی دن رات مدینے میں
(سرجیت سنگھ لانبہ)

جہاں تک عقیدے اور جذبے کی صداقت کے اظہار کا تعلق ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسے نعتیہ کلام کی تخلیق کے پس منظر میں نبی ﷺ سے محبت وعقیدت کا جذبہ بھی موجود ہوگا، مثلاً: ایک اور غیر مسلم شاعر کہتا ہے:

سنا ہے آپ ہر عاشق کے گھر تشریف لاتے ہیں [1]
مرے گھر پر بھی ہو جائے چراغاں یا رسول اللہ

بعض لوگ ایسے اشعار کو نبی ﷺ کے حاضر وناظر ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، حالانکہ یہ غیر مسلم شعراء کی پھیلائی ہوئی گمراہی ہے کیونکہ اگر وہ واقعی اپنی بات کے سچے اور نبی ﷺ کے پکے عاشق ہوتے تو سب سے پہلے نبی ﷺ کو اللہ کا سچا اور آخری رسول مان کر کلمہ طیبہ پڑھتے اور اسلام میں داخل ہو جاتے مگر انھوں نے تو محض نعتیہ شاعری کی رسم نبھائی ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ کا رسول تو مانا نہیں لیکن روایتی نعت گو شعراء کی طرح اپنے آپ کو نبی ﷺ کا محبّ اور اللہ کا ''نور'' ماننے کے لیے تیار ہو گئے ہیں، مثلاً:

[1] بلکہ اب تو اس عوامی شعر میں ترمیم کر کے پہلا مصرع یوں بنا دیا گیا ہے:
ع ''یقیناً'' آپ ہر عاشق کے گھر تشریف لاتے ہیں

نورِ خدا وہ آیا کہ ایمان آگیا
خود منہ سے بولتا ہوا قرآن آگیا
(سرجیت سنگھ لانبہ)

خدا کا نور ہے نورِ پیمبر
خدا کی شان ہے شانِ محمد
(دِلّو رام کوثری)

اسی طرح ایک اور غیر مسلم شاعر یوں کہتا ہے:

ہو شوق نہ کیوں نعتِ رسولِ دو سرا کا
مضموں ہو عیاں دل میں جو لولاک لما کا
(پنڈت کیفی)

غیر مسلم شاعروں کی تعلّی صرف روایتی شعر گوئی تک محدود نہیں بلکہ وہ ایک طرف پیغمبرِ اسلام سے عقیدت جتلاتے ہیں اور دوسری طرف گستاخئ صحابہ پر اتر آتے ہیں، مثلاً:

نبی کے ہوئے نعت گو دو برابر
کہ دونوں کو اک مدح خوانی میں رکھا
ہے حسّان پہلا تو میں دوسرا ہوں
نہیں فرق اوّل میں ثانی میں رکھا
(دِلّو رام کوثری)

غیر مسلم شاعروں کی قائم کی ہوئی اس بری مثال کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض مسلمان نعت گو

شاعروں نے بھی ان کی پھیلائی ہوئی اس گمراہی کی تقلید میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا۔ ان کی دیدہ دلیری اور دریدہ دہنی کی مثال ملاحظہ کیجیے:

کہاں ہے کعب! سیکھے ہم سے آئینِ ثنا خوانی
کہ نعتِ مصطفیٰ اور ذکرِ شمشیرِ مُہنّد کا
(نظم طباطبائی)

شاعروں کو غرّہ

عام غزل گو شعراء نے تو ''مذہب بیزاری'' کی روایت میں لغویات بکی ہی تھیں، جیسے:

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں کے نکیرین
ہاں منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بُو آئے
(مرزا غالب)

مگر نعت گو شعراء نے بھی دینی عقائد و شعائر کی تضحیک و تمسخر میں یہاں تک زبان درازی کی ہے:

مرقد میں نکیرین نہ بک بک کے ستائیں
ہوں مست مئے الفتِ محبوبِ خدا کا
(ضمیر الحق قیس)

اسی طرح ان شعراء نے زاہد پہ پھبتیاں کسنے کی روایت کو بھی قائم رکھا ہے:

عجب کیا؟ گر شفاعت سے رہے محروم محشر میں
کہ اے زاہد! بھروسہ ہے تجھے اپنی عبادت کا
(سخن دہلوی)

ان نعت گو شعراء کو اپنے عاشق مصطفیٰ ہونے پہ اس قدر غرہ ہے کہ وہ خود کو اعمال صالحہ کا مکلّف نہیں سمجھتے بلکہ اس نام نہاد عشق مصطفیٰ کو ہی نجاتِ اُخروی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے اعمال سے فرار اور اعراض کی روایت کو یوں بیان کرتے ہیں:

مدارِ کار ہے حُبِّ رَسول پہ ورنہ
عمل ہزار ہوں اچھے ثواب کیا ہوگا
جو آپ کے ہیں غلاموں میں اے شہِ کونین
لحد میں ان سے سوال و جواب کیا ہوگا
(جلیل مانکپوری)

ہمیں سیلاب کا ڈر کیا ہو جب وہ ناخدا ٹھہرے
ہمیں کیا فکر جب ایسے شہنشاہ کے گدا ٹھہرے
(نیاز فتح پوری)

اہلِ حساب پوچھتے ہو کیا قلؔق کا حال
ہاں ''رِند'' ہے مگر ہے ثنا گوئے مصطفیٰ
(مولا بخش قلؔق)

اعمال سے اعراض کرنے والے شعراء کو صرف نبی ﷺ کی شفاعت کا ہی عُجب نہیں بلکہ وہ ''شرک فی شفاعت الرسول'' کے بھی مرتکب ہوئے ہیں اور انھیں امت کے پیروں، فقیروں کی سفارش کا بھی سہارا ہے، بقول آغا شورؔش کاشمیری:

تمام عمر ''مدینے میں سونے والے'' کو
کہاں کہاں سے پکارا کہاں کہاں ٹھہرے

لِوائے ''مہر علی شاہ'' کو دوش پر رکھ کر
دیارِ ''گنجِ شکر'' میں بھی میہماں ٹھہرے
جنوں کا درس لیا ''بو علی قلندر'' سے
جو اس گروہ میں سرخیلِ عاشقاں ٹھہرے
غرض کہ اس درِ مشکل کشا تک آ پہنچے
وہ ایک در کہ جہاں دورِ آسماں ٹھہرے

اور یہ:

اتنے وسیلے جس کے ہوں نوّابؔ پھر اسے
اندیشہ کیا ہے پرسشِ روزِ شمار کا
(کلبِ علی نواب)

حقیقی نعت

رسمی نعت کے برعکس حقیقی نعت وہ ہے جس کے لکھنے والوں نے گہرے شغف توجہ اور جذب وانہماک کی کیفیات کا اظہار رسم کے طور پر نہیں کیا بلکہ ایک عقیدے کے طور پر کیا ہے۔ ان کے کلام میں نبی ﷺ سے محبت کے ضمن میں رسمی عقیدت نگاری کے بجائے آپ کی سیرت وتعلیمات، غزوات ومعجزات، عادات اور خصائل کا ذکر سرسری نہیں بلکہ گہری دلچسپی، دل بستگی، جذبہ ومستی اور جوش ومحبت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جذبہ وکیف اور ذوق وشوق کے اسی جوہر کے سبب نعت کی یہ قسم اپنے اندر دلکشی اور تاثیر رکھتی ہے۔ ایسے شعراء نے نعت گوئی کو رسمی طور پر نہیں اپنایا بلکہ اُسے پوری توجہ اور پورے شعور کے ساتھ فکر وفن کی جولاں گاہ بنایا ہے، مثلاً:

آپ کا ہر فعل عند اللہ تھا ، بے لوث تھا
بارور آخر ہوئی اس طرح محنت آپ کی
بوریا سونے کو اور کھانے کو اک نانِ جویں
یہ تجمل ، اس پہ یہ سادہ معیشت آپ کی
(اثر لکھنوی)

عشقیہ انداز

نعت کا ایک انداز محبت رسول ﷺ سے عبارت ہے۔ اس انداز کی نعتوں میں آپ کی صفات سے زیادہ آپ کی ذات اور متعلقات (جیسے لباس، نعلین، پسینہ وغیرہ) مسجد نبوی کی فضا، آپ کے شہر مدینہ کے درودیوار، گلی کوچے، مدینہ سے دوری کا احوال، دیار رسول (ﷺ) میں مرنے کی تمنا جیسے دلی جذبات کا بھرپور اظہار ہے۔

مقصدی انداز

نعت گو شعراء نے نعت کو اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق کسی نہ کسی مقصد کے لیے لکھا، مثلاً: ابتدائے اسلام میں نعت دفاع پیغمبر اور تبلیغ اسلام جیسے اعلیٰ مقاصد سے منسلک تھی اور اسے کفار مکہ کی اسلام دشمنی اور نبی ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں بدگوئی کے خلاف بطور مورچہ استعمال کیا گیا ہے۔ غزوات کے موقع پر اسلامی لشکر کی فتوحات اور شہدائے اسلام کی بہادری کا اظہار اور پیغمبر اسلام کی فضیلت و برتری اس کے اہم اور اعلیٰ مقاصد تھے۔ توحید، حفظ ایمان و یقین، پابندیِ ارکان اسلام، اعلاءِ کلمۃ الحق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ظلم و ستم اور فسق و فجور کی نفی، سعی و عمل کی تلقین، مایوسی و ناامیدی سے اجتناب، عباد الشیطان کے خلاف غزوہ و جہاد کی تاکید، اخلاص و قناعت،

غیرت وخودداری، صبر واستقامت ایسے تمام مقصدی امور بھی داخل نعت تھے۔

آفاقی مقاصد

ایک مثالی انسان ، قائد اور محسن انسانیت کے حوالے سے بنی نوع انسان میں نبی ﷺ کے آفاقی پیغام، عالم موجودات پر آپ کے فیضان و برکات اور فروغ خیر وامن کے تذکرے کے طور پر بھی نعت کو استعمال کیا گیا ہے، جیسے:

اسے تو ختمِ نبوت کا معجزہ کہیے
حدیث بن گئی دنیا میں گفتگوئے رسول
(شفیق کوٹی)

حلم و صبر و اتقا، جود و سخا عفو و کرم
معرفت کا درس ہے ایک اک فضیلت آپ کی
(اثر لکھنوی)

اگر پیرو ترا یہ عالمِ ایجاد ہو جائے
تو اک انساں ہی کیا کل کائنات آزاد ہو جائے
(سیماب اکبر آبادی)

جدید اسلوب

اب نعت میں نبی ﷺ کی پیغمبرانہ شان کے ساتھ ساتھ ایک انسان کامل کے طور پر آپ ﷺ کی خصوصیات، معاشرت وتمدن، آپ کے انقلاب آفریں اقدامات کو مستند حوالوں اور صحت مند روایات کی روشنی میں قلمبند کیا گیا اور شاعر کو یہ تشویش ہوئی:

وہ اہلِ فکر جو بدعت کو اجتہاد کہیں
بدل نہ دیں کہیں دینِ حنیف کا منشور
گھرا ہے یورشِ تشکیک و وہم میں مومن
ہوئی ہیں عام جہاں میں رسومِ فسق و فجور
(خاور)

چنانچہ محبت رسول کی سرمستی اور آپ ﷺ کی مدح وتوصیف کے ساتھ ساتھ آپ کی رسالت وبشریت کا زیادہ گہرے شعور سے مطالعہ بھی اس جدید اسلوبِ نعت میں نظر آتا ہے۔

قدیم اسلوب

اس انداز کی نعتوں میں روایتی اور رسمی رنگ غالب ہے۔زیادہ تر توجہ نور محمدی، ولادت رسول، اور معجزات کے تذکرے پر ہے اور آپ کی ذات کے بشری پہلوؤں کا ذکر کم ہے۔ قانون وآئین، عدل وانصاف، سیاست وریاست اور اخلاق وتعلیم کے حوالے سے بنی نوع انسان کے لیے آپ کی خدمات وغیرہ کا بیان نہ ہونے کے برابر ہے اور اگر کہیں ہے بھی تو سرسری انداز اور ثانوی حیثیت میں ہے۔

عموماً اکثر وبیشتر نعت گوشعراء نے لکیر کا فقیر بن کر چند مخصوص موضوعات، مثلاً: نور وبشر، علمِ غیب، مختارِ کُل، حاضر وناظر اور حاجت روا ومشکل کشا جیسے متنازع فیہ مضامین کو ہی بہ تغیر الفاظ بیان کیا ہے۔

مثلاً:

ملائک نے کیا تھا اس سبب سے سجدۂ آدم
کہ پیشانی سے ان کی نور تھا پیدا محمد کا
(شیفتہ دہلوی)

تمھارے جلوۂ رخ میں جھلک ہے نورِ خالق کی
مِرے اس قول پر صادق حدیثِ مَنْ رَّاٰنِي ہے
(نظامی بدایونی)

کہہ رہا ہے آپ کو اپنی طرح کا جو بشر
حکمِ قرآں سے وہ کافر ہو گیا ہے بدشِیَم ①
(تاج عرفانی)

یہ جو کچھ سامنے ارض و سما ہے
سب اس کی ذات سے پیدا ہوا ہے
(ضیاء الدین عبرت)

نہ فلک ، نہ چاند تارے ، نہ سحر نہ رات ہوتی
نہ ترا جمال ہوتا نہ یہ کائنات ہوتی
(عنبر وارثی)

ہوں راز جلی یا کہ خفی تجھ پہ ہویدا
تو دیکھ رہا ہے عقب و پیش کے حالات
(مرزا عزیز)

---

① اس قسم کے انتہا پسندانہ اشعار، جن میں نبی ﷺ کو "بشر" کہنے والوں کو "بدشیم" اور "کافر" کہا گیا، بعض متشدد مفسرین کے "فتویٰ تکفیر" کے باعث کہے گئے ہیں۔ ایسے فتوے باز مفسرین وشعراء کے بارے میں کیا خوب کہا گیا ہے:

ہر بات پہ دیتا ہے تو "تکفیر" کے فتوے
اسلام ترے باپ کی جاگیر نہیں ہے
(عظیم قریشی)

کس طرح منکر ہو کوئی علمِ غیبِ شاہ کا
مصطفیٰ و مجتبیٰ جب آپ کو کہتے ہیں ہم
حال و استقبال و ماضی کے ہیں سب حاصل علوم
شاہدِ امت ہو بے شک اے نبیِ محترم!
(تاج عرفانی)

ہے قرآں ورق اس کے اعجاز کا
وہ واقف ہے سب غیب کے راز کا
(نوازش علی شیدا)

سکوں کی ساعتوں میں کون ان کو بھول سکتا ہے
دمِ مشکل جو ہر اک بے نوا کے کام آتے ہیں
(شکیل بدایونی)

وہ مُہرِ نبوت ہے نہیں سنگِ حرم کچھ
ہاں تو ہمہ تن کعبہ ہے اے قبلۂ حاجات
(شکیل بدایونی)

اس کی اگر مدد ہو ، اس ہفت خوانِ غم میں
ہر غول و دیو سرکش ہو جائے رام میرا
(بے نظیر شاہ)

رقم کرتا ہوں اب میں وصف کچھ اپنے پیمبر کا
ازل کے دن سے جو مختار ہے اللہ کے گھر کا
(امانت لکھنوی)

دے دیے اللہ نے جب آپ کو لوح و قلم
اب دکھا دو میرے حق میں بھی تو اعجازِ رقم

(تاج عرفانی)

آپ نے مطالعہ فرمایا کہ کس طرح تاج عرفانی نے ''مختارِ کل'' کے روایتی مضمون کے تحت آپ کو صاحب لوح وقلم بنا دیا ہے اور امانت لکھنوی نے روزِ ازل سے اللہ کے گھر کا مالک ٹھہرا دیا ہے، حالانکہ قرآنِ عزیز واضح طور پر ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ۝﴾ کی زبانِ وحی ترجمان سے اعلان کروا رہا ہے:

﴿قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا﴾

''اے نبی! کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں ہوں۔''[1]

اسی طرح تاج عرفانی نے ''حال واستقبال و ماضی'' کا علم غیب بھی آپ سے منسوب کر دیا ہے جبکہ قرآن حکیم میں بزبانِ وحی واضح فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ﴾

''میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ خود میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور نہ یہ کہ تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔''[2]

آیئے ذرا تفصیل سے نبی ﷺ کے تکوینی اختیارات اور علم غیب کا جائزہ لیں!

---

① الأعراف 188:7. ② الأحقاف 9:46.

نبی ﷺ کے تکوینی اختیارات اور علمِ غیب

نبیٔ اکرم ﷺ علم غیب رکھتے تھے یا نہیں؟ اس بارے میں مابعد کے ادوار میں مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے مابین بڑے معرکۃ الآراء مباحثے، مناظرے اور مجادلے ہوتے ہیں مگر حقیقتِ حال کیا ہے؟ اس سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے آیئے اس موضوع پر مختلف قرآنی آیات کا مطالعہ کریں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ﴾

''کہہ دیجیے: میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب ہی جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔''[1]

اللہ پاک فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ تم ان سے کہہ دو کہ میں اس کا دعویٰ ہی کب کرتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ مجھے اس کا دعویٰ ہے کہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں۔غیب کا علم تو صرف اللہ کو ہے۔ مجھے اس میں سے صرف اسی قدر معلوم ہے جتنا کہ اللہ نے معلوم کرادیا اور نہ میں کوئی فرشتہ ہوں، میں تو ایک بشر ہی ہوں۔ صرف یہ ہے کہ میری طرف اللہ کی وحی آتی ہے۔ مجھے اس نے اس کا شرف بخشا ہے اور احسان فرمایا ہے۔اسی لیے میں وحی کے سوا اور کسی چیز کا اتباع نہیں کرتا۔''[2]

---

[1] الأنعام 6:50. [2] ابن کثیر.

جب وہ (کافر و مشرک) دیکھتے ہیں کہ یہ (نبی) کھاتے پیتے بھی ہیں۔ کاروبار بھی کرتے ہیں۔ بال بچے دار بھی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ انسان ہیں اور انسان نبی کیسے ہوسکتا ہے۔ کفار کی اس بگڑی ہوئی اور پست ذہنیت کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کی زبانِ پاک سے یہ اعلان کرایا کہ میں اس بات کا مدعی بن کر نہیں آیا کہ میں تمھاری خشک زمینوں میں دریا بہادوں گا اور ہر چٹان سے چشمے ابلنے لگیں گے۔ میں تمھاری مادی خواہشات کی تکمیل کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں۔ میں تو تمھیں اللہ سے ملانے آیا ہوں۔

یہ معجزات جن کا تم مجھ سے مشاہدہ کررہے ہو، ان سب کے باوجود میں انسان ہوں، فرشتہ نہیں۔ تمھارے ذہنوں میں انسان کا جو گھٹیا تصور ہے، وہ انسانِ کامل کا نہیں بلکہ بھٹکے ہوئے انسان کا تصور ہے جو نفس اور شیطان کے دامِ فریب میں گرفتار ہوکر اپنی مسندِ شرف و عزت سے محروم ہوگیا ہے۔

اس آیت سے اس شبہے کا ازالہ بھی ہوگیا جس میں اکثر ضعیف العقل لوگ مبتلا ہوجاتے ہیں کہ ذرا کسی میں کمال دیکھا تو جھٹ اس کے رب ہونے کا یقین کرلیا۔ وہ ذاتِ پاک ﷺ اعلان فرمارہی ہے جس کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوا کہ میں رب ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سارے خزانے میرے قبضہ میں ہیں۔ جیسے چاہوں ان میں تصرف کروں یا بغیر اللہ کے بتائے اور سکھلائے میں ہر غیب کو جانتا ہوں۔ میرا اگر کوئی دعویٰ ہے تو فقط یہ کہ جو کچھ میری طرف وحی کیا جاتا ہے میں اس کی پیروی کرتا ہوں۔ [1]

رسول کریم ﷺ کو ہدایت دی گئی کہ ان لوگوں کے لایعنی سوالات کے جواب میں

---

[1] ضیاء القرآن.

ان سے صاف کہہ دیجیے کہ تم جو مجھ سے دنیا کے خزانوں کا مطالبہ کرتے ہو تو میں نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب خزانے میرے ہاتھ میں ہیں۔ میں نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں ہر غیب کی چیز کو جانتا ہوں اور میں فرشتہ ہوں۔

نادان لوگوں کے ذہن میں ہمیشہ سے یہ احمقانہ تصور رہا ہے کہ جو شخص اللہ کی پہچان رکھتا ہو، اُسے انسانیت سے ماورا ہونا چاہیے۔ وہ ایک اشارہ کرے، پہاڑ سونا بن جائے۔ وہ حکم دے اور زمین سے خزانے ابلنے لگیں، اس پر لوگوں کے اگلے پچھلے سب حالات روشن ہوں۔ وہ بتا دے کہ گم شدہ چیز کہاں رکھی ہے؟ مریض بچ جائے گا یا مر جائے گا؟ حاملہ کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾

"اور اللہ تمھیں غیب کی باتوں سے مطلع کرنے والا نہیں تھا، البتہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، اپنے پیغمبروں میں سے منتخب کر لیتا ہے۔"[1]

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے کہا تھا کہ اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو بتائیں کہ ہم میں سے سچا مومن کون ہے اور کون نہیں؟ اس پر یہ آیت اتری۔ فرمان ہے کہ "خدا کے غیب کو تم نہیں جان سکتے۔ ہاں، وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ مومن اور منافق میں صاف تمیز ہو جائے، البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں جسے چاہتا ہے، پسند کر لیتا ہے۔" جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: "اللہ عالم الغیب ہے، پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر جس رسول کو پسند کر لے۔ اس کے بھی آگے پیچھے نگہبان فرشتے چلاتا رہتا ہے۔"[2]

---

[1] آل عمرٰن 179:3۔ [2] ابن کثیر۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ امورغیب پر بذریعہ وحی اطلاع ہر شخص کو نہیں دیتے، البتہ انبیاء کا انتخاب کر کے انھیں دیتے ہیں۔ اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر تو انبیاء بھی علم غیب کے شریک اور عالم الغیب ہوگئے کیونکہ وہ علم غیب جو حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے کسی مخلوق کو اس میں شریک قرار دینا شرک ہے۔ یہی مغالطہ دور جاہلیت میں بھی بعض نادانوں کو ہوا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؔ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

"(اے حبیب! یہ لوگ) تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے؟ کہہ دو کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کو ہے۔ وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کر دے گا۔ وہ زمین و آسمان میں بہت بھاری واقع ہوئی ہے، تم پر اچانک ہی آئے گی۔ یہ تم سے اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا تم اس سے بخوبی واقف ہو، کہو کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔"[1]

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے اسلام، ایمان اور احسان کے بارے میں پوچھا، پھر پوچھا: قیامت کب آنے والی ہے؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے بارے میں مجھے تم سے زیادہ علم نہیں۔[2] نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں، پھر آپ نے شہادت والی اور بیچ کی انگلی کو جوڑ کر دکھایا گویا کہ میرے ساتھ قیامت لگی ہوئی ہے،

[1] الأعراف 7:187. [2] صحيح البخاري، حديث:50، وصحيح مسلم، حديث:9.

یعنی دونوں کے درمیان کوئی نبی ہونے والا نہیں۔ «علم الساعة» قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ سارے امور کی نسبت رب کی طرف پھیر دو اور اپنے بارے میں کہہ دو کہ مستقبل کا علم مجھے بھی نہیں۔ ہاں! اللہ نے کچھ بتا دیا تو بتا دیتا ہوں جیسا کہ فرمایا: ''عالم الغیب کے علم غیب کو کوئی نہیں پا سکتا اور اے نبی! کہہ دو کہ اگر میں غیب کی بات جانتا تو اپنے لیے بہت سی خیر جمع کر لیتا۔''

آیت کے آخر میں پھر ان لوگوں کے سوال کا اعادہ فرمایا: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا﴾ جس کا سبب ان لوگوں کا یہ سمجھنا تھا کہ نبی کریم ﷺ کو ضرور قیامت کی صحیح تاریخ اور وقت معلوم ہے اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے تحقیق کر کے اس کا علم ضرور حاصل کر لیا ہے مگر آپ کسی وجہ سے بتاتے نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسے سوالات کرنے والے بڑے بے وقوف اور بے خبر ہیں۔ نہ انھیں مسئلہ کی حقیقت معلوم ہے، نہ اس کی حکمت اور نہ سوال کرنے کا طریقہ۔ ہاں، نبی کریم ﷺ کو قیامت کی کچھ علامات کا علم دیا گیا تھا جسے نبی کریم ﷺ نے بہت سی احادیث صحیحہ میں واضح طور پر بیان فرما دیا ہے۔[1]

ثابت ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ امور غیبیہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی طرح علم محیط کے حامل نہ تھے بلکہ آپ غیب کی انھی باتوں سے آگاہ تھے جن کا علم آپ کو بذریعہ وحی دے دیا جاتا تھا، نیز آپ جزوی حالات و معاملات سے کلیتًا آگاہ نہ تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبانِ مبارک سے کہلوایا:

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ط

---

[1] معارف القرآن.

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾

''اے حبیب! کہہ دیجیے: میں کوئی نیا پیغمبر نہیں آیا اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور تمھارے ساتھ کیا۔ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے اور میرا کام تو اعلانیہ ہدایت کرنا ہے۔''[1]

دوسری جگہ فرمایا:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾

''(اے نبی!) کہہ دو: میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو مومنوں کو خبردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔''[2]

اس آیت میں مشرکین اور عوام کے اس غلط عقیدے کی تردید ہے جو ان لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں قائم کر رکھا تھا کہ وہ غیب دان ہوتے ہیں۔ ان کا علم اللہ تعالیٰ کی طرح تمام کائنات کے ذرے ذرے پر حاوی ہوتا ہے، نیز یہ کہ وہ ہر نفع اور نقصان کے مالک ہوتے ہیں جسے جو چاہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

اس آیت میں نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اعلان کر دیں کہ میں اپنے نفس کے لیے بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں، دوسروں کے نفع و نقصان کا تو کیا ذکر ہے! اسی طرح یہ بھی اعلان کر دیں کہ میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ہر چیز کا علم ہونا میرے لیے ضروری ہو اور

---

[1] الأحقاف 9:46. [2] الأعراف 188:7.

اگر مجھے علم غیب ہوتا تو میں ہر نفع کی چیز کو ضرور حاصل کرلیا کرتا اور کوئی نفع میرے ہاتھ سے فوت نہ ہوتا اور ہر نقصان کی چیز سے ہمیشہ محفوظ ہی رہتا، حالانکہ بہت سے کام ایسے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حاصل کرنا چاہا مگر حاصل نہیں ہوئے اور بہت سی تکلیفوں سے بچنے کا ارادہ کیا مگر وہ تکلیف پہنچ گئی۔

غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرے کا احرام باندھ کر حدودِ حرم تک پہنچ گئے مگر حرم میں داخلہ اور عمرے کی ادائیگی اس وقت نہ ہوسکی۔ سب کو احرام کھول کر واپس ہونا پڑا۔

اسی طرح غزوۂ احد میں نبیٔ کریم ﷺ کو زخم پہنچا اور مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی۔ ہاں، اس میں شک نہیں کہ ہمارے رسول ﷺ کو غیب کی خبریں دی گئی ہیں جن کی سچائی کا ہر عام و خاص نے مشاہدہ کیا مگر اسے اصطلاح قرآن میں علم غیب نہیں کہہ سکتے۔''[1]

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حتمی بات ارشاد فرمادی:

﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًاۙ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًاۙ۝﴾

''(وہی اللہ) عالم الغیب ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں، جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کردیتا ہے۔''[2]

یعنی غیب کا پورا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے رسول خود عالم الغیب نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ جب اسے رسالت کا فریضہ انجام دینے کے لیے منتخب فرماتا ہے تو غیب کے حقائق میں سے جن چیزوں کا علم اللہ چاہتا ہے، اسے عطا فرمادیتا ہے۔[3]

---

① معارف القرآن. ② الجن 27,26:72. ③ تفہیم القرآن.

نعت میں شرک و بدعت اور غلو کا اسلوب

نعت کا ایک اہم اور مشہور مگر شرکیہ انداز نبی ﷺ کی جناب میں اپنے حالات اور مصائب و آلام کا اظہار کر کے ان سے مدد طلب کرنا، فریاد کرنا اور مشکل کشائی و حاجت روائی کے لیے سوال کرنا ہے۔ شفائے امراض، حصول مقاصد اور مصائب و مسائل سے نجات حاصل کرنے کے لیے بارگاہ رسالت میں عرضداشت پیش کرنا نعت کے اجزائے ترکیبی میں شامل رہا ہے، مثلاً:

امام بوصیری کا قصیدہ بردہ جو انفرادی مصائب کا نمونہ ہے اور ملت اسلامیہ کی اجتماعی تباہی و بربادی کا المیہ جسے حالؔی جیسے مؤحدّ شاعر نے بھی (ٹھوکر کھاتے ہوئے) روایتی شاعری کی رو میں بہہ کر بصورت ''استغاثہ'' بہ درگاہِ رسالت پیش کیا ہے:

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
فریاد ہے اے کشتیِ امت کے نگہبان!
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

اسی طرح اقبالؔ نے بھی بعنوان ''حضور رسالت مآب میں'' پہلے تو نبیٔ اکرم ﷺ سے محض تخاطب کا انداز اختیار کیا ہے اور استعانت و استغاثہ کی شاعری نہیں کی، مثلاً:

حضور! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بُو وہ کلی نہیں ملتی

لیکن بعدازاں نبی اکرم ﷺ تو کجا ایک بزرگ شیخ احمد سرہندی کے مزار پر حاضر ہو کر یوں استغاثہ پیش کیا ہے:

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں مِری بینا ہیں ولیکن نہیں بیدار

(پنجاب کے پیرزادوں سے / بالِ جبریل)

نعت کے مضامین پر ہندوستانی اثرات

ہندومت میں توحید کا کوئی تصور نہیں۔ مختلف دیوتاؤں کو اپنی اپنی جگہ کُلّی اختیارات کا مالک دکھایا گیا ہے۔ اللہ کا مفہوم دیوتاؤں کے تصورات سے کچھ اس طرح خلط ملط ہو گیا ہے کہ ان کے اختیارات میں کسی حدِ فاصل کا تصور بھی محال ہے۔ اس طرح اس مذہب میں بے شمار تضادات نظر آتے ہیں۔ دیوتاؤں کی مدح میں جو بھجن نظم کیے جاتے ہیں، ان میں حفظ مراتب کا فرق نہیں کیا جاتا۔ مذہبی اور روحانی پیشواؤں کو بھگوان کا اوتار سمجھ کر خدائی صفات سے متصف کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات بھگوان کو بھی ان کا محتاج دکھایا جاتا ہے۔ ہندومت کے ان عقائد و خیالات کے اثرات نعت پر بھی پڑے۔ الوہیت اور نبوت کے فرق کو ملحوظ خاطر نہ رکھا گیا۔ رب اور رسول ﷺ کے مقام اور صفات کو گڈمڈ کر دیا گیا۔ اس طرح ایسے مشرکانہ خیالات بھی نعت میں در آئے جن کا اسلامی تعلیمات سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہندو عقائد کے زیر اثر مسلمان نعت گو شعراء نے رسالت کے ڈانڈے توحید سے ملا دیے اور بڑے بڑے شعراء بھی اس انتہائے غلو سے نہ بچ سکے، جیسے فاضل بریلوی نے کہہ دیا:

وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اُسی سے ملنے اُسی سے اُس کی طرف گئے تھے

حالانکہ قرآنِ مجید کی نصِ قطعی: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ﴾ کے مطابق اوّل وآخر اور ظاہر و باطن اللہ کی صفات ہیں۔ اس قسم کے اشعار میں رب اور رسول ﷺ کی صفات اور اختیارات میں مسابقت اور مقابلے کی فضا پیدا کی گئی ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑا کر دیا گیا ہے جیسے مزید شعراء نے کہا ہے:

ہے خدا کو جس قدر اپنی خدائی پر گھمنڈ
مصطفیٰ کو اُس قدر ہے مصطفائی پر گھمنڈ
(شائق حیدر آبادی)

اسی طرح غلو پر مبنی شعر ملاحظہ ہو:

محمد سا اگر دنیا میں کوئی اور انساں ہے
تو میں کہہ دوں گا ہمتائے خدا ہونا بھی آساں ہے
(نیاز فتح پوری)

بعض شعراء نے اپنا زورِ تخیل یہاں تک صرف کر دیا ہے کہ نعوذ باللہ رسول کریم ﷺ کی صورت میں خود اللہ جلوہ گر ہے۔ میم کا پردہ [1] اور میم کا گھونگھٹ کہہ کر نبی ﷺ کی

---

[1] نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر
وہ بزمِ یثرب میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر
(شعر اقبال جو بعد میں ان کے کلام سے حذف کر دیا گیا۔ ''نقوش'' رسول نمبر جلد 10)
بقول زکی:
زکیؔ کیونکر نہ ہر دم احمدِ بے میم کی رٹ ہو
کہ الفت میں لحاظِ کفر و ایماں ہو نہیں سکتا

ذات میں اللہ ہی کو دکھانے کی کوشش کی گئی، مثلاً:

پردۂ میم میں چھپے ہیں حضور
ہم سے نزدیک ہیں، نہیں کچھ دور
(محوابوالعلائی)

میم کا رُخ سے اُٹھا کر گھونگھٹ
شکل دکھلا مرے پیارے احمد
(شائق حیدرآبادی)

اور تو اور محسن کاکوروی جیسے شاعر کے ہاں بھی اس طرح کی مثال مل جاتی ہے:

ذاتِ احمد تھی یا خدا تھا[1]
سایہ کیا میم تک جدا تھا
(محسن کاکوروی)

کہاں اب جبہہ سائی کیجیے کچھ بن نہیں پڑتا
احد کو کیجیے یا احمدِ بے میم کو سجدہ
(محسن کاکوروی)

اس عقیدے کی تیسری اور کافرانہ صورت وہ ہے جہاں اشارہ و کنایہ کا تکلّف ختم کر کے رسول کریم ﷺ کو صاف طور پر اللہ کہہ دیا گیا ہے، مثلاً:

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰ ہو کر
(آسی غازی پوری)

[1] کلّیات محسن کاکوروی، ص:232

ع اَحَدْ نے صورتِ احمد میں اپنا جلوہ دکھلایا
ع ظاہر میں وہ عرب ہے حقیقت میں عین رب ہے[1]
(فضل الدین)

اے ختمِ رسل کعبۂ مقصود توئی
در صورتِ ہرچہ ہست بود تُوئی
آیاتِ کمال حق عیاں است بتو
آں ذات کہ در پردہ نہاں بود تُوئی

بعض جگہ تو ہندوانہ عقائد اور دیو مالائی فلسفیانہ نظریات و اثرات کے تحت نہ صرف عبد و معبود کی تفریق ختم کر دی ہے بلکہ تصور وحدت کا با قاعدہ مذاق اُڑایا گیا ہے۔ بقول شاعر:

اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے، لے لیں گے محمد سے

اور یہ:

خدا کے پاس تو وحدت ہی وحدت ہے
جو کچھ لینا ہے جا لے لے محمد سے

یہ صرف لفظی بازی گری اور شاعرانہ تعلّی ہی نہیں بلکہ با قاعدہ فتویٰ ہے، چنانچہ مفتی احمد یار گجراتی اپنی تفسیر ''نور العرفان'' میں آیت مبارکہ ﴿ اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ''رب سب کچھ حضور ﷺ کو دے چکا۔ حضور ﷺ لے چکے۔ تمام

[1] نعت سلطانِ عرب از فضل الدین

نبیوں اور فرشتوں نے حضور ﷺ ہی سے کمالات پائے۔'' (یہیں سے غالباً بعض غالی شعراء نے یہ نکتہ نکالا ہے)

شاہِ مدینہ ، یثرب کے والی
سارے نبی تیرے در کے سوالی

اس قسم کے اشعار جن میں قادر مطلق رب تعالیٰ کے تمام اختیارات رسول پاک ﷺ سے منسوب کیے اور آپ کو تفویض کیے گئے ہیں، نہ صرف انتہائی غلو کی مثال ہیں بلکہ اسلام کی بنیادی تعلیمات اور فرمانِ رسالت مآب ﷺ کے خلاف اور سراسر منافی بھی ہیں کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جیسا کہ عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام کے ساتھ کیا۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔''[1] مگر افسوس کا مقام ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے اس واضح ارشاد کو نظر انداز کر کے نبی ﷺ کو بعینہٖ رب بنا دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو اللہ سمجھنے اور کہنے کی کافرانہ لغزش کے ساتھ ہندو مذہب کے زیر اثر جو دوسرا عنصر مسلمانوں میں گھس آیا، وہ آپ کی سیرت وسوانح کے بیان میں بے سروپا کہانیاں ہیں جن میں محیر العقول، مافوق الفطرت، مبالغہ آمیز واقعات کی بھر مار سننے سنانے کا رواج عام ہے۔ ایسے واقعات دیوتاؤں کی طاقت وعظمت سے مرعوب ہو کر سنائے جاتے تھے۔

ہندو اصنام پرستی اور دیو مالائی نظریات کا نتیجہ ہے کہ سیرت پاک میں نہ صرف ایسی موضوع (من گھڑت) روایات جگہ پا گئی ہیں بلکہ ان کی تکرار کے سبب انھیں عقیدے کا درجہ حاصل ہو گیا ہے اور نعتیہ شاعری کا بیشتر ذخیرہ انھی روایات پر مبنی اور منحصر ہے جیسے:

[1] صحیح البخاري، حدیث:3445.

ہے ذاتِ نبی باعثِ تخلیقِ دو عالم
مضموں یہ کہے دیتا ہے لولاک لما کا

(عزیز یار جنگ)

ہوئے افلاک پیدا نام جب آیا محمد کا
طلسمِ عالمِ امکاں تھا یا رب قفل ابجد کا

(نظم طباطبائی)

وہ جس کو فاتحِ ابوابِ اسرارِ قِدَمُ لکھیے
بنائے عرش و کرسی باعثِ لوح و قلم لکھیے

(حفیظ جالندھری)

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

(ظفر علی خاں)

اے بادشاہِ سلطنتِ غیب و شہود
تو ہے سببِ غلغلہء بود و نبود

(بیان میرٹھی)

یا رب مجھے دیدار ہو اس ماہ لقا کا
مصداق جو ہے جملۂ لَوْلَاكَ لَمَا کا

(ضمیر الحق قیس)

نبی کے واسطے سب کچھ بنا ہے
بڑی ہے قیمتی جانِ محمد (ﷺ)
(دِلّو رام کوثری)

نعت پر ہندی راگوں اور گیتوں کے اثرات

ہندو معاشرت میں مروّج بھجنوں اور گیتوں میں استعمال ہونے والے ہندی الفاظ، تلازمات و مناسبات، علائم و رموز اور تشبیہات و استعارات کا استعمال نعتیہ مضامین میں بھی ہونے لگا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ہندی راگوں کی لے اور گیتوں کے انداز پر:

ٹُھمری

کوئی ایسی سکھی چاتر نہ ملی مجھے پی کے دوارے بٹھا دیتی
میں نے راہِ مدینہ بھی دیکھی نہیں مُجھ بیّاں پکڑ کے بتا دیتی

ٹھیٹھ دادرا

تم ہی محمد یار لکیا نبی ﷺ جی پار لکیا
گہری ندیا اگم بھی دھارا گھاٹ گھاٹ لِینے
(مولود سعیدی)

کھمانچ قوالی

جگ جوتی سوامی اوتاری ترے روپ کے واری سیدنا!
من موہن گردھر گردھاری ترے روپ کے واری سیدنا!
(کنور اندر)

جیسی نعتیہ شاعری ہونے لگی، حالانکہ اسلام میں موسیقی حرام ہے اور موسیقی کے آلات جو شیطان کے ہتھیار ہیں جنھیں توڑنے کے لیے پیغمبر اسلام ﷺ کو مبعوث کیا گیا انھی کے ذریعے بظاہر آپ کی تعریف ہونے لگی، نیز ہندی بھجنوں میں گوپیوں کی کرشن مہاراج سے محبت کا انداز بھی نعت میں داخل ہوگیا۔ یوں نعت میں عورت کے جذبات اور نسوانی عقیدت مندی کا اظہار ہونے لگا، مثلاً:

تورے ہجر میں حق کے پیارے نبی مورا چین گیا موری نیند گئی
اب در پہ تمھارے آن پڑی مورا چین گیا موری نیند گئی
موری میکے میں تو سُکھ سے کٹی، چلی پی کی نگریا تو سوچ پڑی
کوئی سیّاں بھی ساتھ نہ آئی مورے، موہے رِیت وہاں کی بتا دیتی

(میلاد احمد مختار از محمد بدر الحسن)

لاج رکھیو! نبی جی ہماری
میں تو ہوں چیری جی سے تمھاری
لاگی پریم کی من میں کٹاری
جا کے تم بن کرے کون کاری
مورا جیا را تم پہ ہے واری
ایسے من میں بسے ہیں محمد
جاؤں جا پہ سے میں بھی بلہاری
مورا جیا را تم پہ ہے واری

(نغمہ بہار جدید از سلطان احمد)

سناؤں کس کو بات اے سکھی ری کہ کس نے جو بن دکھا کے مارا
کہت ہے سب جگ جسے محمد اسی نے نیہا لگا کے مارا

(بہار یثرب از فضل الدین)

اگرچہ نبیٔ اکرم ﷺ سے عقیدت و محبت کا بیان مسلمان عورت کے لیے بھی اسی طرح لازمۂ ایمان ہے جس طرح مسلمان مرد کے لیے ہے لیکن نعتیہ مضامین میں ہندی اثرات کے تحت مذکورہ اشعار کے انداز میں نبیٔ اکرم ﷺ کے لیے مطلوبہ احترام اور شائستگی کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے، نیز یہی رنگ ڈھنگ فضل الدین کے ان اشعار میں بھی شامل ہو گیا ہے:

مجھے اس کی کھبر نہ تھی شام سندر، جِیا لے کے پھراؤ گے اپنی نجر
یہاں اپنا مرن ہے جگت کی ہنسی، تو مدینہ نگر کو بسا بیٹھا
سپنے میں دکھا کر پیاری چھب، موہے مار گیا اے شاہِ عرب!
بدنام بھئی یوں پیت میں اب، سنسار ہنسے توری جوگن کو

ان شعروں کا ماحول ہندی گیتوں سے بالکل مختلف نہیں۔ ان میں ''جو بن دکھا کے مارا'' اور ''جِیا لے کے پھراؤ گے اپنی نجر'' سوئے ادب کی انتہا ہیں اور یہ کہنا کہ نبی ﷺ سے نسبت اور تعلق (نعوذ باللہ) بدنامی اور جگ ہنسائی کا باعث ہے۔ یہ ہندی گیتوں کی اندھی پیروی کا نتیجہ ہے۔ امجد حیدر آبادی کی نظم بھی اسی انداز کی ہے:

آئی برہ کی ماری تیرے لیے بروگن
درشن سے اپنے کر دے دل شاد، چشم روشن
ہاں کب سے رو رہی ہوں میں رکھ کے منہ پہ دامن
کب سے کھڑی ہے داتا در پہ ترے بھکارن

کاگا سب تن کھائیو ، سو چن چن کھائیو ماس
دو نین مورے مت کھائیو ، موہے پیا ملن کی آس

کی طرز میں یہ نعت کہی گئی:

توری منتی کرت ہوں سن کاگا ، مورا ماس بدن کا سگرا کھا
موری پیا ملن کی ہے آسا ، جری چاند دے مکھ پر نینن کو
(ممتاز)

نبی ﷺ کو ''رام'' کہنا، نیز ہندی بھجنوں میں کرشن کے لیے اور گیتوں وغیرہ میں مجازی محبوب کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ سے نبیٔ اکرم ﷺ کو مخاطب کیا جانا نامناسب اور غیر مشروع ہے مگر ہندی اثرات کے تحت نعت نگار یہ بھی کہہ گئے:

وہی راجکمار ہے دیس دھنی جا کو لوگ کہیں مکی مدنی
اسے مایہ جگت کی ملے سکھیو واکے در پہ جو ہاتھ پسارے گا
(فضل الدین)

سَدھ لے موری موہے سرتاجا
سَدھ لے کُل راجن کے راجا
سَدھ لے موہے علی جی کے بھیّا
کالی کملی والے کنہیّا
سدھ لے بی بی خدیجہ کے بالم
صلی اللہ علیہ وسلم
(مولود سعیدی)

جوگن کی جھولی بھر دے او رام نام والے!
اس بت کو رام کر دے او رام نام والے!
نکلی ہے گھر سے جوگن کفنی گلے میں ڈالے
پاؤں میں پڑ گئے ہیں اب چلتے چلتے چھالے
گرنے کو ہوں زمیں پر ، ہے کون جو سنبھالے
بطحا نگر کے راجا! او کالی کملی والے!

ہندی شاعری میں بدلتے ہوئے موسموں کے ساتھ عورت اپنی جدائی کی کیفیت کا اظہار کرتی ہے۔ خصوصاً ساون کے مہینے میں محبوب سے جدائی کا احساس اپنی شدت کو پہنچ جاتا ہے۔ موسم کے حوالے سے ہجر کی یہ کیفیت نعت میں بھی منقلب ہوئی اور کالی گھنگور گھٹائیں نبیِٔ اکرم ﷺ کی یاد کا اسی طرح بہانہ بنیں جس طرح ہندی شاعری میں اپنے محبوب کی یاد کا۔ ملاحظہ ہو:

یہ کالی بھنور گھنگور گھٹا مورے جی کو بھاوت ہے سجنی
کوئی کالی کملیا والا پیا موہے یاد دلاوت ہے سجنی
(نعت سلطان عرب مؤلفہ فضل الدین)

ساون آیا لے تو خبریا
تم تو بسے بطحا کی نگریا
(صہبائے حرم از ساجد صدیقی لکھنوی)

اسی طرح پرندوں کے ذریعے محبوب تک اپنی واردات و کیفیتِ ہجر پہنچانے کی کوشش جو ہندی شاعری کی ایک نمایاں خصوصیت ہے، مثلاً: ''کاگا'' سے منسوب قاصد کا تصور، نعت میں بھی ہجر کی کیفیت کے اظہار کا حوالہ بنا، چنانچہ میرا بائی کے دوہا:

ہندی بھجنوں اور گیتوں کے زیر اثر نبی ﷺ کے لیے رام، سوامی، اوتاری، گردھاری، راجکمار، بالم، شام، پیا، کنہیا اور کرشن مہاراج کے نام پر ہی اکتفا نہ کیا گیا بلکہ متعلقہ تلازمات کو بھی نبی ﷺ سے منسوب کر دیا گیا اور یوں نعت کی فضا بھجن کے رنگ میں رنگ دی گئی، مثلاً:

مورا شام گھنیا مدینہ بسو موہے مرُلی کی لے نہ سنائے گئیو
میں تو برج دوارے کا ڈھونڈ پھری گئی دیس بہ دیس مگر نہ ملا
دھری کاندھے کالی کملیا تھی واکے مکھ سے مرُلی کی لَے بجی
کبھی تھی «أَنَا بَشَرٌ» کی دُھن کبھی «کُنْتُ کَنْزًا» سنا گیا
(فضل الدین)

میں جوگن بروگن میں کملی کمینی
تو سرتاج میرا مرا دیوتا ہے
تو ساجن سوامی میں باندیَ بے کل
میں مورکھ نمانی تو گن ہے کلا ہے
گرو دیو چیلی کا سنجوگ کیسا
میں دھرتی تو امبر، میں کیا ہوں تو کیا ہے
(عبدالعزیز خالد)

یہاں نبی ﷺ کے لیے ساجن، سوامی، دیوتا اور گرو دیو کے الفاظ ہندی گیتوں کے تحت رقم کیے گئے ہیں۔ محسن کاکوروی کے قصیدہ:

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا کے بادل

دیکھیے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن
سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بے کل

کی پوری فضا ہندوستانی مذہبی اور تمدنی ماحول کے متعلقات اور مناسبات سے عبارت ہے۔احمد رضا خان بریلوی کی مشہور نعت:

لم یات نظیرك فی نظر
مثلِ تو نہ شد پیدا جانا

میں ''جگ راج کو تاج تورے سرسو ہے'' تورے چندن بدن پر توری جوت کی جھلجھل، مورا جیالرُ جے درک درک ،موہے کرنہ پرت اور ''موراتن من دھن سب پھونک دیا'' کے ٹکڑے بھی ہندی اثرات لیے ہوئے ہیں۔

نعت پر فلمی گانوں اور دھنوں کے اثرات

نعتیہ شاعری ہندی بھجنوں کے مضامین والفاظ اور ہندی راگوں کے انداز پرتو ہونے ہی لگی تھی۔اب ہندو پاک میں نعتیہ شعری روایت پر رفتہ رفتہ بھارتی اور پاکستانی فلموں کی پرچھائیاں بھی پڑنے لگیں جس کا آغاز یوں ہوا کہ پہلے تو فلمی گانوں کی دھنوں پر نعتیں لکھی اور گائی جانے لگیں، مثلاً:

در پہ بلاؤ! مکّی مدنی
بگڑی بناؤ! مکّی مدنی

ایک بھارتی فلم کے مشہور گیت

گھر آیا میرا پردیسی
پیاس بجھی میری اَکھین کی

کے طرز میں لکھی گئی اور اسی کی سُر، لَے اور دُھن میں گائی جاتی ہے۔

پھر یہ ہوا کہ فلمی گیتوں کی شعری زمین، بحر اور وزن میں خامہ فرسائی کی گئی، مثلاً:

ایک اور بھارتی فلم کے اس گیت:

ع یونہی کوئی مل گیا تھا مجھے راہ چلتے چلتے

کے انداز میں:

مری بات بن گئی ہے تری بات کرتے کرتے
ترے شہر میں مَیں آؤں تری نعت پڑھتے پڑھتے

جیسی نعتیں کہی جانے لگیں۔ ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ اُسی دُھن، اُسی زمین حتّٰی کہ اُسی ردیف وقافیہ میں نعت گوئی اور نعت خوانی ہونے لگی، مثلاً: ذیل کی نعتیں سراسر فلمی گیتوں کا چربہ ہیں:

بچپن کی محبت کو دل سے نہ جدا کرنا
جب یاد میری آئے ملنے کی دعا کرنا
(فلمی گیت)

اے سبز گنبد والے منظور دعا کرنا
جب وقتِ نزع آئے دیدار عطا کرنا
(نعت)

کیا ہوا دل پہ ستم
تم نہ سمجھو گے بلم
(فلمی گیت)

آ گئے شاہِ اُمم
مٹ گئے رنج و الم

(نعت)

وغیرہ......اسی طرح برصغیر میں پہلے پہل تو عمومی قوالیوں اور بعد ازاں فلمی قوالیوں کا رواج ہوا۔ ان قوالیوں میں ہندی الفاظ، شرکیہ انداز اور مضامین عام تھے، مثلاً مشہور قوالی:

تاجدار حرم ہو نگاہِ کرم ہم غریبوں کے دن بھی سنور جائیں گے
یاد رکھو اگر اٹھ گئی اک نظر جتنے خالی ہیں سب جام بھر جائیں گے

میں آگے چل کر شاعر کہتا ہے:

کیا تم سے کہوں اے عرب کے کنور! تم جانت ہو من کی ''بتیاں''
تیری پیت میں سُدھ بُدھ سب ہی گئی کب تک یہ رہے گی بے خبری

میں کنور (شہزادہ)، بتیاں (باتیں)، پیت (محبت) اور سُدھ بُدھ (ہوش) ہندی الفاظ ہیں، نیز ایک طرف شاعر کا دعویٰ یہ ہے کہ اے عرب کے تاجدار مجھے آپ ﷺ کے سامنے اپنی دلی کیفیت بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں کیونکہ آپ ﷺ میرے[1] دل کی باتیں تک جانتے ہیں۔ اور دوسری طرف شاعر اس بات پر رسول اکرم ﷺ سے شاکی ہے کہ آپ ﷺ کی محبت میں مجھ جیسے سودائی کی جو حالت زار ہو گئی ہے اس کی آپ ﷺ کو خبر ہی نہیں۔ یہ بات ایک دوسرے کے بالکل برعکس اور نفس مضمون کا کھلا

---

[1] حالانکہ بفحوائے عبارت قرآنی: ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ''اور اللہ ہی دلوں کی باتیں جانتا ہے۔'' (آل عمرٰن 3:154) اور ﴿وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ﴾ ''اور جو خیالات دلوں میں گزرتے ہیں ہم انھیں بھی جانتے ہیں۔'' (قٓ 50:16) اس لیے دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کو جاننا صرف اللہ ہی کی صفت ہے جسے کسی دوسری ہستی سے منسوب کرنا شرک ہے۔

تضاد ہے۔ جو نبی ﷺ کے علمِ غیب کے بارے میں شاعر کے بودے دعویٰ کی خود ہی نفی کر رہا ہے۔

اسی طرح ایک اور قوالی کے درج ذیل اشعار:

اسم تو ، اسم اعظمیں
جسم تو ، جسم عالمیں
شانِ تو ، شانِ کبریا
یعنی محمد مصطفیٰ (ﷺ)

میں نبی ﷺ کے اسم مبارک کو ''اسم اعظم'' قرار دیا گیا ہے جبکہ احادیث میں ہے:
اللہ تعالیٰ کا وہ اسم اعظم جس کے ساتھ جو بھی دعا کی جائے، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔ اور اس کے ساتھ جو بھی اللہ سے سوال کیا جائے، اللہ تعالیٰ اسے پورا فرماتا ہے۔
اس آیت کریمہ میں ہے:

﴿لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝﴾

''اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو پاک ہے۔ بے شک میں ہی زیادتی کرنے والوں میں ہوں۔''[1]

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ اسم اعظم جس کے ساتھ اللہ سے جو کچھ بھی مانگا جائے ضرور دیتا ہے، ان دعائیہ کلمات میں ہے۔

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدَ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ، أَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ، بَدِيعُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ»

[1] الأنبيآء 87:21، وجامع الترمذي، حديث:3505.

''الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اس لیے کہ تیرے ہی لیے سب تعریف ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے (تو) بہت بڑا مہربان ہے، بہت زیادہ احسان کرنے والا ہے، آسمانوں اور زمین کا تو ہی (بے مثال) ایجاد کرنے والا ہے، اے (عظمت و) جلال اور انعام واحسان کے مالک!''[1]

(بعض روایات میں ذوالجلال والاکرام کے بجائے یاحی یاقیوم کے الفاظ ہیں۔)

ایک حدیث میں ہے کہ اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے:

﴿وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝﴾

''اور تمھارا معبود تو وہی یگانہ معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بڑا ہی رحم کرنے والا ہے اور بہت ہی مہربان ہے۔''[2]

﴿الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝﴾

الم، اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ہمیشہ زندہ رہنے والا اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔''[3]

اسی طرح شاعر کے ان اشعار:

سہانی رات تھی اور پر سکوں زمانہ تھا
اثر میں ڈوبا ہوا جذبِ عاشقانہ تھا
انھیں تو عرش پہ محبوب کو بلانا تھا
ہوس تھی دید کی، معراج کا بہانہ تھا

---

① سنن أبي داود، حديث: 1495، وسنن النسائي، حديث: 1301، وسنن ابن ماجه، حديث: 3858. ② البقرة 2:163. ③ آل عمران 3:1، 2، وسنن أبي داود، حديث: 1496.

ع یہ کمالِ حُسن کا معاملہ کہ فراق، حق بھی نہ سہہ سکا

شبِ معراج لیا عرشِ بریں پر بلوا
صدمۂ ہجر خدا سے بھی گوارا نہ ہوا

میں اللہ تعالیٰ کی طرف ''ہوس، بہانہ، فراق اور ہجر'' کے الفاظ منسوب کیے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں۔ یہ اشعار منفیت (Negative sense) اور بشری کمزوریوں کے نمائندہ الفاظ پہ مبنی ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ ہر کمزوری اور عیب (Negativity) سے پاک اور ہر خوبی سے متصف ہے، نیز یہ کہ وہ ''البصیر'' یعنی ہر چیز کو ہر کہیں اور ہر حالت میں دیکھنے والا ہے، لہٰذا اس کے لیے فراق، جدائی اور ہجر کا تصور ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۝﴾

''ہم تمھاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''[1]

......الغرض موجودہ عوامی نعتوں کا اکثر و بیشتر ذخیرہ انھی فلمی گانوں کے زیرِ اثر پڑھا اور موسیقی کے آلاتِ محرمات کے ساتھ ٹی وی چینلوں پر گایا جا رہا ہے، نیز جہاں محافلِ میلاد اور پردۂ سیمیں پر مزامیرِ شیطانی کا استعمال نہیں ہوتا، وہاں صوتی آہنگ کو برقرار رکھنے کے لیے اللہ...... اللہ کے الفاظ کو Play Back میں غنائیت کے طور پر مستعمل کر لیا گیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے باعظمت نام کو Rhythm کا متبادل بنا لیا گیا ہے۔ چنانچہ نعت کے تمام تر الفاظ بامعنی لیکن اللہ...... اللہ کا استعمال بے معنی (Ir-relevant) ہوتا ہے۔ «نعوذ باللّٰہ من ذلك» حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اللہ ذو الجلال والاکرام کے اَوّلی و اعلیٰ نام کو سب سے زیادہ بامعنی بناتے ہوئے یوں کہتے:

[1] قٓ 16:50.

اللہ...... اللہ...... اللہ...... اللہ

اللہ...... باجھوں ...... خالی...... پلّہ

دیکھیے ! دورِ جاہلیت کی شاعری کی بھی یہی بات سب سے زیادہ سچّی اور سچّی قرار دی گئی ہے کہ

ع أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ

”خبردار! اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہستی کے علاوہ ہر چیز ختم ہو جانے والی ہے۔“

اس قول کی تصویب وتحسین خود محبوب ومنعوتِ کائنات ﷺ نے یوں فرمائی ہے:

«أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيدٍ: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ»

”شاعروں کی کہی ہوئی باتوں میں سب سے سچی بات لبید کا یہ قول ہے: خبردار! اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہستی کے علاوہ ہر چیز ختم ہو جانے والی ہے۔“[1]

ثابت ہوا کہ موجودہ نعت نگار اور نعت خواں حضرات کے مذکورہ اُمور، آدابِ نعت گوئی کے سراسر خلاف ہیں۔

[1] صحيح البخاري، حديث:6147.

حقیقی نعت کے چند نمونے

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ
أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

''اس میں کوئی جھوٹ نہیں کہ میں نبی ہوں اور یہ کہ میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں۔''

نبیِ اکرم ﷺ کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے یہ رجز یہ کلمات گویا میدان جہاد میں ایک عظیم جرنیل کی اپنی قوم کو دادِ شجاعت دینے کی دعوت ہیں جو ایک بہترین ''نعت'' کا نمونہ بھی ہیں۔ وگرنہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شاعری سے مُبرًّا و مُنزَّہ رکھا، بقولہ تعالیٰ: ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ ''اور ہم نے اسے شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ شاعری اس کے شایانِ شان ہے۔'' (یٰسٓ 69:36)

حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ

وَقَالَ اللّٰهُ قَدْ أَرْسَلْتُ عَبْدًا
يَقُولُ الْحَقَّ إِنْ نَّفَعَ الْبَلَاءُ

''اور اللہ نے کہا کہ ہم نے ایک بندے کو بھیجا ہے جو حق بات کہتا ہے۔ اگر آزمائش نفع بخش ہو (تو اس کی صداقت کو آزمالو)''

شَهِدْتُّ بِهِ فَقُومُوا صَدِّقُوهُ
فَقُلْتُمْ لَا نَقُومُ وَلَا نَشَاءُ

''ہم نے اس کی صداقت پر گواہی دی، تم بھی کھڑے ہو جاؤ اور اس کی صداقت پر گواہی دو مگر تم نے یہی کہا کہ ہم ایسا نہ کریں گے اور نہ یہ چاہتے ہیں۔''

پھر ابوسفیان سے مخاطب ہوتے ہوئے

(پھر چند اشعار کے بعد ابوسفیان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:)

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَأَجَبْتُ عَنْهُ
وَعِنْدَ اللّٰهِ فِي ذَاكَ الْجَزَاءُ

''تم نے محمد ﷺ کی برائی کی، میں نے ان کی طرف سے جواب دیا اور عند اللہ میرے اس کام کا صلہ ہے۔''

أَتَهْجُوهُ وَلَسْتَ لَهُ بِكُفْءٍ
فَشَرُّكُمَا لِخَيْرِكُمَا فِدَاءُ

''کیا تو ان کی برائی کرتا ہے؟ حالانکہ تو ان کا ہمسر نہیں ہے، تم دونوں میں جو برا ہو، وہ اس پر قربان ہو جائے جو تم دونوں میں سے اچھا ہے۔''

هَجَوْتَ مُبَارَكًا بَرًّا حَنِيفًا
رَسُولَ اللّٰهِ شِيمَتُهُ الْوَفَاءُ

''تو نے ایسے شخص کی برائی کی ہے جو مبارک ہے، نیک ہے، اللہ والا ہے، باطل سے حق کی طرف یکسو ہے جس کی خصلت وفا شعاری ہے۔''

فَإِنَّ أَبِي وَوَالِدَهُ وَعِرْضِي
لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْكُمْ وِقَاءُ

''میرا باپ اور باپ کا باپ اور میری عزت محمد ﷺ کی عزت کے لیے تمھارے مقابلہ میں ڈھال ہے۔''[1]

---

① تاریخ دمشق الکبیر :285/7.

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

مَتٰی یَبْدُو فِي اللَّیْلِ الْبَهِیمِ جَبِینُهُ
یَلُحْ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجٰی الْمُتَوَقِّدِ

”اندھیری رات میں ان کی پیشانی نظر آتی ہے تو اس طرح چمکتی ہے جیسے روشن چراغ۔“

فَمَنْ کَانَ أَوْ مَنْ قَدْ یَکُونُ کَأَحْمَدَ
نِظَامٌ لِّحَقٍّ أَوْ نَکَالٌ لِّمُلْحِدِ

”احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کون تھا اور کون ہوگا حق کا نظام قائم کرنے والا اور ملحدوں کو سراپا عبرت بنا دینے والا۔“[1]

---

[1] الاستیعاب لابن عبدالبر: 12/1.

سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

مَاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ أَحْمَدٍ
أَلَّا يَشُمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

''جس نے احمدِ مجتبیٰ کی تُربت کو سُونگھ لیا، اس پر کوئی حرج نہیں اگر وہ ساری عمر کوئی اور خوشبو نہ سُونگھے۔''

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَّوْ أَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ عُدْنَ لَيَالِيَا

''آپ کی جدائی میں وہ مصیبتیں مجھ پر ٹوٹی ہیں کہ اگر یہ دنوں پر ٹوٹتیں تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔''

اِغْبَرَّ أَفَاقُ السَّمَاءِ وَكُوِّرَتْ
شَمْسُ النَّهَارِ وَأَظْلَمَ الْعَصْرَانِ

''آسمان کی پہنائیاں غبار آلود ہو گئیں، دن کا سورج لپیٹ دیا گیا اور زمانہ تاریک ہو گیا۔''

وَالْأَرْضُ مِنْ بَعْدِ النَّبِيِّ كَئِيبَةٌ
أَسَفًا عَلَيْهِ كَثِيرَةُ الرَّجْفَانِ

”اور زمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مبتلائے درد ہے اور ان کے غم میں سراپا ڈوبی ہوئی ہے۔“

فَلْيَبْكِهِ شَرْقُ الْبِلَادِ وَغَرْبُهَا
وَلْيَبْكِهِ مُضَرٌ وَكُلُّ يَمَانِ

”اب آنسو بہائے مشرق بھی اور مغرب بھی اُن کی جُدائی پر اور آنسو بہائے قبیلۂ مُضر اور یمن کا ہر شخص۔“

وَلْيَبْكِهِ الطَّوْدُ الْمُعَظَّمُ جَوْهُ
وَالبَيْتُ ذُوالْأَسْتَارِ وَالْأَرْكَانِ

”بڑی قدر و منزلت والا پہاڑ بھی آپ کی جدائی پر اشک بار ہو اور پردوں اور رُکنوں والا بیت اللہ بھی۔“[1]

---

[1] المواهب اللدنية للقسطلاني : 563/4.

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(الشہید: 644ء)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَظْهَرَ دِينَهُ
عَلٰى كُلِّ دِينٍ قَبْلَ ذٰلِكَ حَائِدِ

''کیا نہیں دیکھا تم نے کہ اللہ نے اپنے دین کو غالب کر دیا، ہر اُس دین پر جو اس سے پہلے تھا، حق سے پھرا ہوا۔''

وَأَسْلَبَهُ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ بَعْدَ مَا
تَدَاعَوْا إِلٰى أَمْرٍ مِّنَ الْغَيِّ فَاسِدِ

''اللہ نے اہلِ مکہ کو محروم کر دیا نبی ﷺ سے جب اُن لوگوں نے سرکشی کے خیالِ فاسد، یعنی قتل پر کمر باندھی۔''

غَدَاةَ أَجَالَ الْخَيْلُ فِي عَرَصَاتِهَا
مُسَوَّمَةً بَيْنَ الزُّبَيْرِ وَ خَالِدِ

''پھر وہ صبح جب گھوڑے اس کے میدانوں میں جولانیاں دکھانے لگے جونشان زدہ تھے زبیر و خالد کے درمیان۔''

فَأَمْسٰی رَسُولُ اللّٰهِ قَدْ عَزَّزَ نَصْرُهُ
وَأَمْسٰی عِدَاهُ مِنْ قَتِيلٍ وَ شَارِدِ

''پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے غلبے والی نصرت بخشی اور ان کے دشمن مقتول ہوئے اور شکست کھا کے بھاگے۔''[1]

---
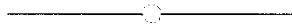
[1] بلوغ الأدب للآلوسي :2/271، وأخبار عمر علي الطنطاوي، ص: 308 و331.

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

(الشہید: 650ء)

فَيَاعَيْنِي ابْكِي وَلَا تَسْأَمِي

وَحُقَّ الْبُكَاءُ عَلَى السَّيِّدِ

''اے میری آنکھ تو آنسو بہا اور نہ تھک، اپنے سردار پر آنسو بہانا تو لازم آچکا ہے۔''

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب بن ہاشم

(الشہید: 526ء)

حَمِدْتُ اللّٰهَ حِينَ هَدٰى فُؤَادِي
إِلَى الْإِسْلَامِ وَالدِّينِ الْمُنِيفِ

''میں نے اللہ کا شکر ادا کیا جب اس نے میرے دل کو اسلام اور بلند مرتبہ دین کی توفیق بخشی۔''

اَلدِّينُ جَاءَ مِنْ رَّبٍّ عَزِيزٍ
خَبِيرٍ بِالْعِبَادِ بِهِمْ لَطِيفٌ

''اس دین کی جو عظمت وعزت والے پروردگار کی طرف سے آیا ہے جو بندوں کے تمام حسابات سے باخبر اور ان پر بڑا مہربان ہے۔''

إِذَا تُلِيَتْ رَسَائِلُهُ عَلَيْنَا
تَحَدَّرَ دَمْعُ ذِي اللُّبِّ الْحَصِيفِ

''جب اس کے پیغاموں کی تلاوت ہمارے سامنے کی جاتی ہے تو ہر صاحب عقل اور صائب الرائے کے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔''

رَسَائِلُ جَاءَ أَحْمَدُ مِنْ هُدَاهَا
بِآيَاتٍ مُّبَيِّنَةِ الْحُرُوفِ

''وہ پیغامات جن کی ہدایتوں کو احمد ﷺ لے کر آئے، واضح الفاظ وحروف والی آیتوں میں۔''

وَأَحْمَدُ مُصْطَفًى فِينَا مُطَاعًا
فَلَا تَغْشَوْهُ بِالْقَوْلِ الْعَنِيفِ

''میں ستائش کرتا ہوں اس کی جو ہم میں برگزیدہ ہیں جن کی اطاعت کی جاتی ہے، لہٰذا تم ان کے سامنے نا ملائم لفظ بھی منہ سے نہ نکالنا۔''

فَلَا وَاللّٰهِ نُسْلِمُهُ لِقَوْمٍ
وَلَمَّا نَقْضِ فِيهِمْ بِالسُّيُوفِ

''اللہ کی قسم! ہم انھیں اس قوم کے حوالے کبھی نہیں کریں گے جن کے بارے میں ہم نے ابھی تلواروں سے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔''[1]

---

[1] المواهب اللدنية 1/230.

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

(المتوفّٰی: 670ء)

قَضَيْنَا مِنْ تِهَامَةَ كُلَّ رَيْبٍ
وَخَيْبَرَ ثُمَّ أَجْمَعْنَا السُّيُوفَا

''جب تہامہ کی طرف سے ہم فارغ ہو چکے، اب دشمنوں کا وہاں کھٹکا نہیں رہا اور خیبر سے بھی فارغ ہو چکے، پھر ہم نے اپنی تلواروں کو اکٹھا کیا۔''

نُخَيِّرُهَا وَلَوْ نَطَقَتْ لَقَالَتْ
قَوَاطِعُهُنَّ دَوسًا أَوْ ثَقِيفَا

''ہم نے اپنی تلواروں کو اختیار دیے ہوئے ہیں، اگر یہ تلواریں بول سکتیں تو کہتیں کہ اب ان کا نشانہ دوس ہوں گے یا ثقیف۔''

وَأَنَّا قَدْ أَتَيْنَاهُمْ بِزَحْفٍ
يُحِيطُ بِسُورِ حِصْنِهِمْ صُفُوفَا

''ہم ایک فوج لے کر ان تک پہنچے ہیں، ان کے قلعوں کے حصار کو صف بستہ فوج گھیرے ہوئے ہے۔''

رَئِيسُهُمُ النَّبِيُّ وَكَانَ صَلْبًا
نَقِيُّ الْقَلْبِ مُصْطَبِرًا عَزُوفًا

''ان جواں مردوں کے سردار رسول اللہ ﷺ ہیں جو ایک پختہ کار انسان ہیں۔ دل کے پاک، صبر کرنے والے، پست باتوں سے بہت بلند۔''

رَشِيدُ الْأَمْرِ ذُو حُكْمٍ وَّعِلْمٍ
وَحِلْمٍ لَّمْ يَكُنْ نَزِقًا خَفِيفًا

''جن کا معاملہ بہت سلجھا ہوا ہے۔ تدبر، علم اور بردباری والے، اوچھی باتوں اور ہلکے پن سے بہت دور۔''

نُطِيعُ نَبِيَّنَا وَنُطِيعُ رَبًّا
هُوَ الرَّحْمٰنُ كَانَ بِنَا رَؤُوفًا

''ہم اپنے نبی ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں اور اپنے رب کی اطاعت کرتے ہیں جو کہ بہت رحم کرنے والا ہے اور ہم پر انتہائی شفقت فرمانے والا ہے۔''[1]

[1] تفسیر ابن کثیر :1/57.

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

(المتوفّٰی: 629ء)

يَا رَبِّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

”اے رب! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ تصدیق کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔“

فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا
وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَّاقَيْنَا

”ہمارے دلوں پر سکینت کا نزول فرما، دشمنوں سے اگر مڈھ بھیڑ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔“

إِنَّ الَّذِينَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا
إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا [1]

”ہم پر یورش کرنے والے اگر فتنہ پر آمادہ ہوں تو ہلاک ہو جائیں۔“

خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهِ
اَلْيَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَنْ تَأْوِيلِهِ

---

[1] طبقات ابن سعد:3/257، طبع، دارصادر بیروت.

''اے کافروں کی اولاد، رسول اللہ (ﷺ) کا راستہ خالی کردو، آج ہم تمھیں اسلام کے احکام پر عمل کرتے ہوئے ماریں گے۔''

ضَرْبًا يُّزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَّقِيلِهِ
وَيُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ ①

''ایسی مار جو سر کو کھوپڑیوں سے جدا کر دے گی اور جو ایک دوست کو دوسرے دوست سے غافل کر دے گی۔''

رُوحِي الْفِدَاءُ لِمَنْ أَخْلَاقُهُ شَهِدَتْ
بِأَنَّهُ خَيْرُ مَوْلُودٍ مِّنَ الْبَشَرِ

''میری روح قربان ہو اس ذات پر جس کے اخلاق اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ بنی نوع انسان میں سب سے بہتر فرد ہیں۔''

لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُّبَيِّنَةٌ
كَانَتْ بَدِيهَتُهُ تُنْبِيكَ بِالْخَبَرِ ②

''اگر اس کے متعلق واضح نشانیاں نہ بھی ہوتیں تو آپ کی معرفت ہی تجھے بہت سے احوال کے بارے میں باخبر کر دیتی۔''

---

① طبقات ابن سعد: 310/2، طبع، بیروت، لبنان. ② سیرۃ ابن ہشام - سہیلی.

سردار ابو طالب بن عبدالمطلب

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوا إِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ
حَتّٰى أُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِينَا

''اللہ کی قسم! وہ اپنی جمعیت کے ساتھ تجھ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک مجھے مٹی میں دفن نہ کیا جائے۔''

فَاصْدَعْ بِأَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ
وَأَبْشِرْ وَقَرَّ بِذَاكَ مِنْكَ عُيُونَا

''تو اپنا کام کیے جا، تجھ پر کسی قسم کی تنگی نہیں ہے اور خوش رہ اور اس کام کے ساتھ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیے جا۔''

وَدَعَوْتَنِي وَزَعَمْتَ أَنَّكَ نَاصِحِي
وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَكُنْتَ ثَمَّ أَمِينَا

''تو نے مجھے دعوت دی اور تیرا خیال ہے کہ تو میرا خیر خواہ ہے، تو نے سچ کہا اور پھر تو تو ایک امانت دار (امین) رہ چکا ہے۔''

وَعَوَّضْتَ دِينًا لَّا مُحَالَةَ إِنَّهُ
مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِينَا

”تو نے وہ دین پیش کیا جو یقیناً پوری دنیا کے ادیان میں بہترین دین ہے۔“

لَوْلَا الْمَلَامَةُ أَوْ حِذَارُ مَسَبَّةٍ

لَوَجَدْتَنِي سَمْحًا بِذَاكَ مُبِينًا

”اگر ملامت کا خوف اور سُبکی کا اندیشہ نہ ہوتا تو اس دین کو قبول کر لینے میں تو یقیناً مجھے برملا فراخ دل پاتا۔“[1]

---

[1] المواهب اللدنية : 223/1.

مجید امجد

(وفات: 1974ء)

شہر مکہ بتوں کی بستی تھی
چار سو تیرگی برستی تھی

لو وہ اک نور کی کرن پھوٹی
بزمِ آفاق جگمگا اُٹھی

دیکھنا اک یتیمِ بے ساماں
اجنبی، کم سخن، تہی داماں

جس نے یوں سال و سن گزارے ہیں
بھوک میں اپنے دن گزارے ہیں

پیرہن تن پہ تار تار اُس کا
کوئی محرم نہ دوست دار اس کا

تپتی ریتوں پہ محوِ خواب کہیں
تیز کانٹوں سے زخم یاب کہیں

چلتی تیغوں کے درمیان کبھی
کنکروں سے لہولہان کبھی

ذرّہ ذرّہ عدوئے جاں اُس کا
تشنۂ خوں ہے اک جہاں اس کا

ہاں مگر لب جب اس کے ملتے ہیں
دل کے مرجھائے پھول کھلتے ہیں

جب وہ پیغامِ حق سناتا ہے
وجد میں دو جہاں کو لاتا ہے

جب وہ اونچی صدا سے کہتا ہے
ہادیانہ ادا سے کہتا ہے

گمرہو! تم یہ کیا سمجھتے ہو
پتھّروں کو خدا سمجھتے ہو

دل دہلتے ہیں قہرمانوں کے
دیے بجھتے ہیں کفر خانوں کے

بات یہ کیا زبان سے نکلی
لاکھ تلوار میان سے نکلی

ظالموں کی اذیّتیں اک سمت
اور خدا کی مشیّتیں اک سمت

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

(وفات: 1978ء)

رخشندہ ترے حسن سے رخسارِ یقیں ہے
تابندہ ترے عشق سے ایماں کی جبیں ہے
چمکا ہے تری ذات سے انساں کا مقدر
تو خاتمِ کونین کا رخشندہ نگیں ہے
ہر قول ترا حرفِ صداقت کا ہے ضامن
ہر فعل ترا حسنِ ارادت کا امیں ہے
ہر گام ترا ہم قدمِ گردشِ دوراں
ہر جادہ تری رہگزرِ خُلدِ بریں ہے
جس میں ہو ترا ذکر وہی بزم ہے رنگیں
جس میں ہو ترا نام وہی بات حسیں ہے
چمکی تھی کبھی جو ترے نقشِ کفِ پا سے
اب تک وہ زمیں چاند ستاروں کی زمیں ہے
آنکھوں میں ہے اُس خلقِ مجسم کا تصور
اک خلدِ مسرت مری نظروں کے قریں ہے

مجذوب سہارن پوری

(وفات: 1944ء)

کہاں ہند میں وہ بہارِ مدینہ ۔۔۔ بس اب میں ہوں اور یادگارِ مدینہ

مرا دل ہے اک اختصارِ مدینہ ۔۔۔ کہ اس میں بسا ہے دیارِ مدینہ

زہے عزت و افتخارِ مدینہ ۔۔۔ شہِ دو جہاں تاجدارِ مدینہ

وہ ہر سو کھجوروں کی دل کش قطاریں ۔۔۔ وہ کہسار، وہ سبزہ زارِ مدینہ

وہ مسجد وہ روضہ وہ جنت کا ٹکڑا ۔۔۔ خوشا منظرِ پُر بہارِ مدینہ

کہاں جی لگے میرا باغِ جہاں میں ۔۔۔ ہے آنکھوں میں میری بہارِ مدینہ

کہیں جاؤں طیبہ ہی پیشِ نظر ہے ۔۔۔ مجھے کل جہاں ہے جوارِ مدینہ

ادھر دیکھ ادھر اے مری چشمِ حسرت ۔۔۔ میں دل میں لیے ہوں بہارِ مدینہ

وہاں سے میں حُبِّ نبی دل میں لایا ۔۔۔ یہی تحفہ ہے یادگارِ مدینہ

میسر ہو پھر اس کی یارب زیارت
کہ مجذوبؔ ہے اشکبارِ مدینہ

صفی لکھنوی

(وفات: 1950ء)

اعجاز ہی اعجاز تھے اطوارِ محمد
رفتارِ محمد ہو کہ گفتارِ محمد ﷺ

وہ سادگیٔ وضع وہ اندازِ مساوات
سرمایۂ آرائشِ دربارِ محمد ﷺ

سلمان و سلیماں میں نہ تھا فرق وہاں کچھ
تھا ظلِّ ہُما سایۂ دیوارِ محمد ﷺ

اقوام کو کس قعرِ مذلّت سے نکالا
دنیا پہ ہے احسانِ گراں بارِ محمد ﷺ

اسلام جو ہے آشتی و امن کا پیغام
سمجھو تو اسے مسلکِ ہموارِ محمد ﷺ

فطرت کے قوانین کا مجموعہ ہے اسلام
ہر قلبِ حق آگاہ طرف دارِ محمد ﷺ

مقصود نہ تھی جنگ سے تسخیرِ ممالک
پیکارِ حکیمانہ تھی پیکارِ محمد ﷺ

اس وقت دیا اذن پئے جنگِ دفاعی
ہونے لگے مقتول جب انصارِ محمد ﷺ

آقائے دو عالم کے غلاموں سے تو پوچھو
آزادوں سے بہتر تھے گرفتارِ محمد ﷺ

ہم جنسوں کی اصلاح میں کل عمر بسر کی
اللہ رے صفی جذبۂ ایثارِ محمد ﷺ

وزیر الحسن عابدی

(وفات: 1979ء)

ظلمتِ نفسِ بشر خواجۂ ایام بنی
کہیں اصنام میں اُبھری کہیں اوہام بنی

کہیں ہامانِ تصور کہیں نمرودِ نظر
کہیں فرعونِ تسلط کہیں شدّادِ ہنر

سومناتوں کی نمائش گہِ اصنام کہیں
روم و یوناں کا صنم خانۂ اوہام کہیں

اپنی صنعت کے پجاری تھے حکیمانہ وجود
ہو فلاطونِ تخیّل کہ ارسطوئے شہود

کہیں نیرو کی وہ سفّاکیٔ تفریح طلب
خوں اُگلتے ہوئے نظّاروں سے تسکینِ غضب

کہیں ابلیس کے ساغر سے چھلکتا ہوا عیش
کہیں دوزخ کے دہانے سے بھڑکتا ہوا طیش

کہیں دولت کے طراروں میں بھکتی ہوئی مے
کہیں شیطان کے تاروں پہ تھرکتی ہوئی نے
صلۂ حق و صداقت کے مناظر تھے عجیب
کہیں نمرود کے شعلے کہیں صہیوں کی صلیب
کرۂ ارض پہ چھائی تھی کراں تا بہ کراں
تیرگی جہل و ضلالت کی، توہّم کا دھواں
گھُٹ رہا تھا خرد و ہوشِ خداداد کا دم
کھائے ٹھوکر جو کہیں عقل بڑھے چند قدم

ایسے ظلمات میں اک شامِ مرادات آئی
جس نے تاریخ بدل دی وہ حسیں رات آئی

بارشِ فیضِ مشیّت سے نکھرتی ہوئی رات
شانۂ عظمتِ آدم پہ بکھرتی ہوئی رات
دہر کا شانۂ احساس ہلاتی ہوئی رات
سوئی دُنیا کے نصیبوں کو جگاتی ہوئی رات
عرش کی سیر لبِ بام سے کرتی ہوئی رات
عالمِ قدس کے زینے سے اترتی ہوئی رات
کوہِ فاران کی وادی سے ابھرتی ہوئی رات
زیرِ پا ظلمتِ عالَم کو کچلتی ہوئی رات

جذبۂ عشقِ حقیقت سے دمکتی ہوئی رات
سیرتِ پاکِ محمد سے مہکتی ہوئی رات

عرش سے فرش پہ عظمت کے برستے ہوئے پھول
شبِ اسریٰ میں نثارِ قدمِ پاکِ رسول

ہے دوعالم میں لقب رحمتِ داور اس کا
بٹ گیا خلقِ دوعالم میں نچھاور اس کا

ما عرفناك ہے تعبیرِ کمالِ عرفاں
قُربِ محبوب کی خلوت میں تکلف کی زباں

برق رو بن گئی معراج میں عقلِ کونین
اس کے قدموں سے تھی وابستہ بشکلِ نعلین

سوئے افلاک بڑھا سم کو جھٹک کر جو براق
چونک اٹھا خواب سے انساں کا شعورِ آفاق

کھل گئیں پوری طرح عقلِ بشر کی آنکھیں
نئی دنیا میں تھیں اب اہلِ نظر کی آنکھیں

ذہنِ انساں کو نئی قوتِ پرواز ملی
اہلِ دل کو طلبِ جلوہ گہِ راز ملی

جو حقائق تھے کئی لاکھ برس سے مخفی
چند صدیوں میں بنے علم کی آیاتِ جلی

شبِ معراج زمانے کی جو سرتاج ہوئی
قدرتِ فکر و تعقل کو بھی معراج ہوئی

جس نے جس راہ میں بھی علم کی دولت پائی
قوتِ فکر و نظر اس کی بدولت پائی

اس قدر بڑھ گئی انسان کی رفتارِ نظر
کفِ آدم میں ہے اب آئینۂ شمس و قمر

تیرہ تھی فکرِ بشر عہدِ نبی سے پہلے
رات تھے دن سفرِ نیم شبی سے پہلے

کاش اس رازِ ترقی کو جہاں جان سکے
کاش اس محسنِ تہذیب کو پہچان سکے

عبدالرزاق اویسی

میں اک نعت کے بول تم کو سناؤں
ہے ممدوحِ رب جو میں گُن اس کے گاؤں
کرے جس کی سیرت کی تعریف خالق
میں اس کی اداؤں پہ قربان جاؤں
میں ہوں اُمّتی خاتم المرسلیں کا
ہوں خوش بخت کتنا! نہ پھولا سماؤں
ہے مدحِ نبی رات دن کا وظیفہ
اسی سے ہی پیاس اپنے دل کی بجھاؤں
رہی چومتی آپ کا نقشِ پا جو
میں اس راہ میں اپنی آنکھیں بچھاؤں
ہو ظاہر مصفّا تو باطن مجلّا
جو اُس خاکِ پا کا میں سُرمہ بناؤں
ہوں مقصودِ بعثت سے میں لاتعلق
گو ہر سال میلادِ نبوی مناؤں!
میں کہتا ہوں نعتیں تو بھرتا ہوں جیبیں
مگر ڈھونگ عشقِ نبی کا رچاؤں!

کاش وہ چہرہ مری آنکھ نے دیکھا ہوتا
مجھ کو تقدیر نے اُس دور میں لکھّا ہوتا
باتیں سنتا میں کبھی پوچھتا معنی ان کے
آپ کے سامنے اصحاب میں بیٹھا ہوتا
ہر سیہ رات میں سورج ہیں حدیثیں ان کی
وہ نہ آتے تو زمانے میں اندھیرا ہوتا
علم کا شہر مجھے علم عطا کرتا ہے
حرف ملتے نہ اگر جہل میں ڈوبا ہوتا
فخریؔ جب مسجدِ نبوی میں اذانیں ہوتیں
میں مدینے سے گزرتا ہوا جھونکا ہوتا

پروفیسر عنایت علی خاں

کسی غمگسار کی محنتوں کا یہ خوب میں نے صلہ دیا
کہ جو میرے غم میں گھلا گیا اُسے میں نے دل سے بھلا دیا

ترے حُسنِ خلق کی اک رمق مری زندگی میں نہ مل سکی
میں اسی پہ خوش ہوں کہ شہر کے درو بام کو تو سجا دیا

ترا نقشِ پا تھا جو رہنما تو غبارِ راہ تھی کہکشاں
اسے کھو دیا تو زمانے بھر نے ہمیں نظر سے گرا دیا

میں ترے مزار کی جالیوں ہی کی مدحتوں میں مگن رہا
ترے دشمنوں نے ترے چمن میں خزاں کا جال بچھا دیا

ترے ثور و بدر کے باب کے مَیں ورق الٹ کے گزر گیا
مجھے صرف تیری حکایتوں کی روایتوں نے مزا دیا

یہ مری ارادتِ بے بصر، یہ مری عقیدتِ بے ثمر
مجھے میرے دعویٰ عشق نے نہ صنم دیا نہ خدا دیا

مرے رہنما ترا شکریہ کروں کس زباں سے بھلا ادا
مری زندگی کی اندھیری شب میں چراغِ فکر جلا دیا

کبھی اے عنایتِ کم نظر ترے دل میں یہ بھی کسک ہوئی
جو تبسّمِ رُخِ زیست تھا اُسے تیرے غم نے رُلا دیا

(دارالسلام۔لاہور)

نبی کی رہ پہ چلن ہو تو نعت ہوتی ہے
جو سنتوں سے لگن ہو تو نعت ہوتی ہے
نہیں ہے نعت فقط نام شعر گوئی کا
عمل مآلِ سُخن ہو تو نعت ہوتی ہے
جو کوئی مدحِ محمدؐ میں محو ہو بلبل
حدیث اُس کا چمن ہو تو نعت ہوتی ہے
فقط زباں ہی نہیں دل بھی ہو غلام اُن کا
مطیع سارا بدن ہو تو نعت ہوتی ہے
کلامِ میرِ امم سے قرار ملتا ہے
حدیث سایہ فِگن ہو تو نعت ہوتی ہے
قلم محاذِ نگارش میں تیغ بن جائے
کہ بدعتوں کا ہرَن ہو تو نعت ہوتی ہے
کبھی بھی ملک و وطن کے نہ دین ہو تابع
جو دیں کے تابع وطن ہو تو نعت ہوتی ہے

جہان بھر میں نفاذِ نظامِ حق کے لیے
قبول دار و رسن ہو تو نعت ہوتی ہے
ہر ایک شعر گرے برق بن کے باطل پر
نظامِ ضربِ کہن ہو تو نعت ہوتی ہے
خدا کی رہ میں بہے خوں کی آبیاری سے
جہاں میں سرو و سمن ہو تو نعت ہوتی ہے
سنو اے نعت نگارو! کہ صدق گوئی سے
جگر ہلانے کا فن ہو تو نعت ہوتی ہے
یہ شعر و فکر و تخیلِ کا قافلہ جعفرؔ
عمل کی دُھن میں مگن ہو تو نعت ہوتی ہے

پروفیسر عبداللہ شاہین

اُن کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
یادِ خدا کے دل میں ساماں سجا دیے ہیں
شمعِ اَحد جلا کے پیغامِ حق سُنا کے
جو بے خُدا تھے ناداں وہ باخُدا کیے ہیں
گھر میں نہ کچھ رکھا ہے یہ شانِ مصطفیٰ ہے
کُل سیم و زر جواہر بہ رہِ خدا دیے ہیں
جنّ و بشر، ملائک، قربان سب خلائق
درجے تمام حاصل بعد از خدا کیے ہیں
نوعِ بشر کو کیوں نہ قسمت پہ ناز ہو گا
خالق نے مصطفیٰ بھی انساں بنا دیے ہیں
وحشی، گنوار، بربر، صحرانشیں، ستمگر
تعلیمِ مصطفیٰ نے انساں بنا دیے ہیں
کیا فکر تشنگی کی شاہیںؔ کو روزِ محشر
ساقی نے جامِ کوثر بھر بھر پلا دیے ہیں

نعت گوئی اور حقیقت وسیلہ

ابھی تک آپ نے نعت کی تعریف، تاریخ اور تدریجی نعت گوئی کا مطالعہ کیا۔ نتیجتاً یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہوگی کہ کس طرح نظریۂ «نور من نور اللّٰه» اور «وسیله» کو ''نعت گوئی'' میں مبالغہ آرائی کا باعث بنایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ''نور من نور اللہ'' پر تو سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔ اب ''حقیقتِ وسیلہ'' کا غائر مطالعہ کرتے ہیں تاکہ کھرا اور کھوٹا الگ ہو کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے، نیز ''وسیلہ کی حقیقت'' طشت از بام ہو جائے اور اس کی شرعی حیثیت بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے۔

وسیلہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ ''و س ل'' ہے، جس کا معنی عربی زبان میں ''برضا و رغبت کسی کا قرب حاصل کرنا'' مذکور ہے۔[1]

وسیلہ کا یہ معنی شرعی اصطلاح کے بہت قریب ہے، یعنی ''وہ نیک اعمال جن کے ذریعے بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے۔''

اُردو زبان میں بھی تقریباً یہی معنی مُراد لیا جاتا ہے بلکہ عام استعمال میں صرف سبب اور ذریعہ کے معنی میں مستعمل ہے۔ قرآنِ حکیم میں دو جگہ لفظ وسیلہ استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○﴾

---

[1] ''حقیقتِ وسیلہ'' از مقصود الحسن فیضی۔

''مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تمھارا بھلا ہو۔''[1]

ائمہ تفسیر کے نزدیک لفظ وسیلہ کی تعریف

''عمل طاعات اور اجتنابِ محرمات کے ذریعے قرب الٰہی کا حصول وسیلہ کہلاتا ہے۔''

ان ائمہ میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری اور مجاہد رحمہما اللہ وغیرہم کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان ائمہ نے وسیلے کی جو تفسیر بیان کی ہے، اس میں علمائے تفسیر میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔[2]

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا﴾

''جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ خود اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ نزدیک ہو جائے۔ وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ تیرے رب کا عذاب واقعی ڈرنے کی چیز ہے۔''[3]

---

[1] المآئدۃ 35:5.

[2] تفسیر روح البیان: 174/5 ۔ اس آیت کی شانِ نزول میں وارد صحیحین کی روایت آیت کے مفہوم کو مزید واضح کر دیتی ہے۔

[3] بنیٓ اسرآءیل 57:17.

اس آیت میں بھی لفظ وسیلہ کا وہی مفہوم ہے جو پچھلی آیت کی تفسیر میں گزرا ہے، چنانچہ تفسیر جلالین میں وسیلہ کی تفسیر «القربة بالطاعة» کے لفظ سے مذکور ہے، یعنی طاعت وفرماں برداری کے ذریعے تقرب حاصل کرنا۔[1]

---
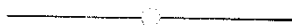
[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عرب کے لوگ جنوں کی پوجا کرتے اور ان کی دہائی دیا کرتے تھے۔ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ جن تو اسلام لے آئے اور قربِ الٰہی کی طلب میں رواں دواں رہے لیکن یہ جاہل انسان پھر بھی جنوں کی عبادت میں مشغول رہے اور ان مجبوروں کے دامن کو بزعم خود پکڑے ہوئے مالک حقیقی تک پہنچنے کے متمنی رہے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(صحيح البخاري، حديث: 4714)

وسیلہ✦ کے جائز طریقے

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا وسیلہ

جن وسیلوں کا ثبوت قرآن وحدیث سے ملتا ہے، ان میں اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں اور پاک صفتوں کا وسیلہ سرفہرست ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○﴾

''اور اللہ تعالیٰ کے نام سب سے اچھے ہیں، انھی ناموں سے اسے پکارو اور ایسے لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی سے کام لیتے ہیں۔ انھیں ان کی کج روی کی سزا مل کر رہے گی۔''[1]

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَلِظُّوْا بِيَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ»

''یا ذوالجلال والاکرام سے چمٹے رہو۔''[2]

---

[1] الأعراف 180:7. [2] جامع الترمذي، حديث: 3525,3524.

✦ فضیلۃ الشیخ علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''التوسل'' میں وسیلے کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا: اس کی دو قسمیں ہیں:

① عبادات: جن سے اللہ کی رضا مندی اور حصولِ جنت مقصود ہو، جیسے رمضان المبارک کے روزے ◄◄

یعنی اپنی دعاؤں میں کثرت سے اس کا استعمال کرو۔

اللہ تعالیٰ کے بہت سے پیارے نام اور اچھی صفات ہیں جن میں اس کی مختلف خوبیوں کا بیان ہے۔ بعض اس کی رحمت کو بیان کر رہی ہیں، بعض سے اس کی شانِ غفاریت ظاہر ہوتی ہے اور بعض میں اس کی رزاقیت کا ذکر ہے اور بعض اس کی شانِ قہاریت کو ظاہر کرتی ہیں۔ الی آخرہ، اس لیے بندے کو جس قسم کی ضرورت درپیش ہو اللہ تعالیٰ کو اس کے مناسب حال صفت سے یاد کرے، جیسے اے اللہ! تو رحمٰن ورحیم ہے، لہٰذا ہمارے اوپر رحم فرما۔ اے اللہ! تو رزاق ہے، ہر کس وناکس اور چرند پرند کو روزی دیتا ہے، میری روزی میں بھی کشادگی فرما اور برکت دے۔ اے اللہ! تو غفور وغفار ہے، اپنے اس گناہگار بندے کو معاف فرما دے۔ اے اللہ! تو ہر نیک وبد کی دعا سنتا ہے، اس مسکین کی دعا سن لے۔ وغیرہ وغیرہ۔

›› رکھنا، لیلۃ القدر کا قیام وغیرہ امورِ عبادیہ جن کے ذریعے سے بندے اپنے گناہوں کی مغفرت اور جہنم سے نجات کے طالب ہوتے ہیں۔ (قرآنِ مجید میں مذکورہ لفظ وسیلہ کا یہی مفہوم ہے۔)

② وہ وسیلہ جو دعا کی قبولیت کا ذریعہ بنے، پھر اس دوسری قسم کی علامہ موصوف نے چھ صورتیں بتلائی ہیں:

(ا) اللہ کے پیارے پیارے ناموں کا وسیلہ، خواہ کسی خاص نام کا وسیلہ لیا جائے یا جملہ ناموں کا وسیلہ۔

(ب) اللہ کی صفات کا وسیلہ، خواہ عمومی طور پر ہو یا خصوصی طور پر۔

(ج) اللہ تعالیٰ پر ایمان کا وسیلہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان کا وسیلہ۔

(د) دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی مسکنت اور خستہ حالی کو وسیلہ بنائے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿ رَبِّ إِنِّي لِمَآ أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴾ (القصص 24:28)

(ھ) کسی ایسی زندہ ذات کی دعا کا وسیلہ جس کی دعا کی قبولیت کی امید کی جاتی ہو۔

(و) اعمالِ صالحہ کا وسیلہ (دیکھیے مجموع الفتاویٰ ورسائل الشیخ: 279/5)

اعمالِ صالحہ کا وسیلہ

جو عمل جس قدر خلوص کے ساتھ کیا جائے اللہ کو اسی قدر محبوب ہوگا اور جس نسبت سے اخلاص کی کمی ہوگی اسی اعتبار سے قبولیتِ الٰہی سے محروم ہوگا حتی کہ جو عمل دنیوی مفاد، برادری کی عصبیت، نام ونمود یا کسی دوسری غرض سے کیا جائے تو وہ بظاہر نیک ہونے کے باوجود عنداللہ قبول نہیں ہوگا۔

صحیحین کی حدیثِ غار ''عمل صالح کے ذریعے وسیلہ'' پر واضح دلیل ہے کہ ان تینوں نیک بندوں نے اپنے اپنے نیک عمل کا وسیلہ لیا جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کیا تھا۔ ایسے اعمال کے وسیلے سے اللہ نے ان کی دعائیں قبول فرمالیں۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ مصیبت وپریشانی میں دعا کرنا مستحب ہے۔ اسی طرح اپنے اعمالِ صالحہ کے وسیلے سے اللہ کا تقرب حاصل کرنا بھی صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو قبولیتِ دعا کا وعدہ کیا ہے، اسے پورا کرنے کی درخواست بھی کی جاسکتی ہے۔ یہ ایسا وسیلہ ہے کہ عہد نبوی ﷺ کے بعد بھی اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔

وسیلہ کے ناجائز طریقے

گزشتہ سطور میں ہماری گفتگو قرآن وحدیث سے ثابت شدہ وسیلے کے صحیح طریقوں سے متعلق تھی۔ اب چند باتیں اُن وسیلوں سے متعلق پیش کی جاتی ہیں جن کا ثبوت نہ قرآن حکیم سے ہے اور نہ احادیثِ صحیحہ سے اور نہ خیر القرون میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین رحمہم اللہ کا ہی ان پر عمل رہا ہے۔ اس توسل کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

① کسی کی ذات کا وسیلہ

② کسی کی عظمت ورتبے کا وسیلہ

③ کسی کے حق کا وسیلہ

④ کسی غیر موجود یا مُردہ ذات کی دعا کا وسیلہ

کسی کی ذات کا وسیلہ

کسی نبی، ولی، شہید اور غازی کی ذات کا واسطہ دے کر اللہ سے کچھ طلب کرنا، مثلاً: یوں کہنا کہ اے اللہ! اپنے نبی کے صدقے مجھے بخش دے، اے اللہ! تجھے تیرے حبیب کا واسطہ ہے کہ میری یہ ضرورت پوری کردے، اے اللہ! اولادِ علی و فاطمہ رضی اللہ عنہم کے صدقے میری مصیبت کو ٹال دے وغیرہ۔

چونکہ دُعا اور وسیلہ خالص شرعی عمل اور عبادت کا معاملہ ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ اس کے ثبوت میں قرآنِ حکیم یا احادیثِ صحیحہ سے کوئی دلیل ہو۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو عمل

''عبادت'' کی نیت سے کیا جائے اور قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہو، اسے اصطلاح شرع میں ''بدعت'' کہا جائے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ، فَهُوَ رَدٌّ»

''جس نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے، وہ ناقابل قبول ہے۔''[1]

دوسرے لفظوں میں یہ حدیث یوں آئی ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا، فَهُوَ رَدٌّ»

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''[2]

اس قاعدے کو سامنے رکھ کر ''ذات کا[3] وسیلہ'' لینے پر جب نظر ڈالتے ہیں تو قرآن حکیم یا حدیثِ رسول سے اس کا کہیں بھی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی کسی صحابی وتابعی نے

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 2697 وصحيح مسلم، حديث: 1718.

[2] صحيح مسلم، حديث: 1718.

[3] ایک شبہ اور اس کا ازالہ: صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں اللہ کے رسول ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلے سے پانی طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ''اے اللہ! ہم تیرے نبی کے وسیلے سے آپ سے بارش طلب کرتے تھے اور آپ ہمیں بارش عطا فرماتے تھے اور اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلے سے پانی کے طالب ہیں تو آپ ہمیں بارش عطا فرمادیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1010)

لیکن حق یہ ہے کہ جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حیاتِ نبوی میں آپ کی ذات کا نہیں بلکہ آپ کی دعاؤں کا وسیلہ لیتے تھے، اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عباس کی ذات کا نہیں بلکہ دعا کا وسیلہ لیا تھا۔ جیسا کہ اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کر کے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ دیکھیے فتح الباری: 2/497۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے علامہ البانی رحمہ اللہ کی کتاب التوسل: 54-73۔

اس پر عمل کیا ہے اور نہ ائمۂ مشہورین میں سے کسی کا قول معروف ہے، اس لیے بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ یہ وسیلہ بدعت ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ اس کے بدعت ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے۔ خیر القرون میں کسی نے بھی اس توسل کو جائز نہیں سمجھا۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ سے اس وسیلے کا ناجائز اور مکروہ ہونا صراحت کے ساتھ ثابت ہے۔ فرمایا:

«لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَّدْعُوَ اللّٰهَ إِلَّا بِهِ، وَالدُّعَاءُ الْمَأْذُونُ فِيهِ وَ الْمَأْمُورُ بِهِ مَا اسْتُفِيدَ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالٰى»

''کسی کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء حسنیٰ کے علاوہ کسی اور واسطے سے پکارے۔ اور جس دعا کی اجازت اور حکم ہے، وہ وہی ہے جس کا ثبوت آیت کریمہ: ﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ میں موجود ہے۔''[1]

کسی کے رتبے اور مقام کا وسیلہ

کسی نبی، ولی اور شہید کے رتبے اور مقام کے وسیلے سے اللہ سے کچھ طلب کرنا کہ ان کے رتبے اور مقام کے وسیلے سے مجھے معاف کردے وغیرہ وغیرہ؟

چونکہ احادیثِ صحیحہ وثابتہ اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس کا ثبوت نہیں ہے، اس لیے یہ صورت بھی بدعت ہونے کی وجہ سے ممنوع ہوگی۔ اگر وسیلہ کی یہ صورت کسی معنی میں جائز ومشروع ہوتی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی پاک جماعت اسے ترک نہ کرتی۔[2]

---

[1] الدر المختار: 396/6.

[2] شبہ: اس مشہور حدیث کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جو ان الفاظ میں مروی ہے: [تَوَسَّلُوا بِجَاهِي، فَإِنَّ جَاهِي عِنْدَاللّٰهِ عَظِيمٌ] ''میرے جاہ ورتبے کا وسیلہ لو، اس لیے کہ میرا رتبہ اللہ کے »

کسی مخلوق کے حق کا وسیلہ

جیسے کسی شاعر نے کہا:

» نزدیک بہت عظیم ہے۔"

ازالہ: جوابًا عرض ہے کہ بلا شبہ نبی ﷺ کا رتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند اور نہایت عظیم ہے لیکن اس کا وسیلہ لینا یہ ایک اور بات ہے۔ ثبوت کے لیے اس حدیث کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ جبکہ علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ حدیث کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر ہی ہے، چنانچہ علامہ محمود آلوسی حنفی رحمہ اللہ اپنی کتاب تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں: «لَمْ يَرْوِ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَلَا هُوَ فِي شَيْءٍ مِّنْ كُتُبِ الْحَدِيثِ» یعنی نہ تو اس حدیث کو کسی عالم نے روایت کیا ہے اور نہ کتب حدیث میں اس کا کہیں تذکرہ ہے۔ (روح المعاني: 137/6) نیز دیکھیے الهداية: 432,431/4۔ طبعة دار المعرفة بيروت، والدرالمختار مع حاشيه ردالمحتار: 569,568/9، والبحر الرائق شرح كنز الدقائق لابن نجيم: 235/8، وشرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الحنفي: 297/1، وشرح الفقه الأكبر للقاري: 198، واتحاف الساعدة المتقين شرح إحياء علوم الدين: 285/2. ان میں سے اکثر کتابوں میں صراحت کے ساتھ مذکورہ صورت کے مکروہ ہونے کے بارے میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا قول نقل کیا گیا ہے۔

نوٹ: یہاں پر یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ فقہ حنفی میں مکروہ حرام کے قریب ہے، یعنی جس طرح حرام کا ارتکاب کرنے والا عذابِ جہنم کا مستحق ہے اسی طرح مکروہ تحریمی کا مرتکب بھی عذابِ جہنم کا مستحق ہوگا، چنانچہ ہدایہ میں ہے: «اَلْمَكْرُوهُ حَرَامٌ عِنْدَ مُحَمَّدٍ، وَأَقْرَبُ إِلَى الْحَرَامِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَ يُوسُفَ» "امام محمد کے نزدیک مکروہ اور حرام برابر ہیں، البتہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک مکروہ حرام کے قریب تر ہے۔" (الهداية: 412/4)

درمختار اور اس کے حاشیہ رد المحتار میں ہے: «كُلُّ مَكْرُوهٍ أَيْ كَرَاهَةُ تَحْرِيمٍ حَرَامٌ كَالْحَرَامِ فِي الْعُقُوبَةِ بِالنَّارِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَعِنْدَهُمَا، وَهُوَ الصَّحِيحُ الْمُخْتَارُ، إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ» "ہر مکروہ، یعنی مکروہ تحریمی امام محمد کے نزدیک حرام ہے، یعنی جہنم کے عذاب کے استحقاق کے سلسلے میں، البتہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک حرام کے قریب ہے اور یہی مذہب صحیح مختار ہے۔" (487,486/9)۔ نیز دیکھیے: (البحر الرائق شرح كنز الدقائق: 205,204/8)

الٰہی بحقِ بنی فاطمہ (رضی اللہ عنہا)
کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ!

''اے اللہ! اولادِ فاطمہ کے حق کے طفیل ایمان کے لفظ پر میرا خاتمہ کردے۔''

اے اللہ! تجھے تیرے نبی کے حق کا واسطہ ہے کہ تو مجھے معاف کردے۔ فلاں ولی وبزرگ کے حق کے وسیلے سے سوال ہے کہ میرا یہ کام ہو جائے۔

پیشِ نظر رہے کہ وسیلہ کی یہ صورت بھی کسی صحیح وصریح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں بعض حدیثیں پیش کی جاتی ہیں لیکن ان میں سے کوئی حدیث بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی، پھر کسی شرعی مسئلے پر کسی ضعیف وموضوع حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا اور شاید یہی وجہ ہے کہ علمائے امت خصوصًا علمائے احناف نے اس وسیلے کو غیر مشروع قرار دیا ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور اور معتمد کتاب ''ہدایہ'' میں ہے:

«يُكْرَهُ أَنْ يَّقُولَ الرَّجُلُ فِي دُعَائِهِ! بِحَقِّ فَلَانٍ أَوْ بِحَقِّ أَنْبِيَائِكَ وَ رُسُلِكَ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِمَخْلُوقٍ عَلَى الْخَالِقِ»

''کسی نبی اور رسول یا کسی اور کے حق کے وسیلے سے دعا کرنا مکروہ ہے کیونکہ خالق پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔''

مشہور اور متداول کتاب ''القدوری'' میں ہے:

«اَلْمَسْأَلَةُ بِحَقِّهٖ لَا تَجُوزُ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْخَلْقِ عَلَى الْخَالِقِ فَلَا تَجُوزُ وِفَاقًا»

''کسی مخلوق کے حق کے واسطے سے دعا کرنا متفقہ طور پر ناجائز ہے کیونکہ کسی مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔''

وسیلہ ممنوعہ کی مذکورہ تینوں صورتیں اسلام کے منافی امور بلکہ بدعت اور شرکیات میں داخل ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس امت میں اور سابق امتوں میں شرکِ اکبر کا دروازہ انھی صورتوں سے کھلا تھا، لہٰذا ان صورتوں سے کلی اجتناب کرنا لازم ہے۔

غیر موجود زندہ یا کسی مُردے کی دعا کا وسیلہ

وسیلہ ممنوعہ کی چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی غیر موجود شخص کی دعا کا وسیلہ لیا جائے، وہ ذات مُردہ ہو یا زندہ، خواہ وہ ذات کسی نبی کی ہو یا ولی وشہید کی، خواہ کسی بزرگ سے دعا کی درخواست کی جائے کہ اے فلاں ہستی! اللہ سے میرا یہ کام کرا دیجیے۔ یا اس بزرگ ہی سے اپنی مراد مانگی جائے۔ اس کی حرمت پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے اور یہی وہ شرک ہے جو مشرکین عرب میں رائج تھا اور جسے انھوں نے وسیلہ کا نام دے رکھا تھا اور جو اللہ کے رسول ﷺ اور مشرکین کے مابین سب سے بڑے اختلاف کی بنیاد تھا۔ اس لیے بقول علامہ محمد بن صالح العثیمین اسے وسیلہ نہیں بلکہ شرک کہنا چاہیے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ ”یہ صحیح نہیں ہے کہ اسے ہم وسیلہ کا نام دیں بلکہ اسے ہم شرک کہتے ہیں کیونکہ غیر اللہ سے دعا کرنا دین میں شرک اور گمراہی ہے۔ شرک اس لیے کہ ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ عبادت میں شریک ٹھہرایا اور گمراہی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝﴾

”آخر اس شخص سے زیادہ بہکا ہوا انسان اور کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر انھیں پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے بلکہ وہ ان کے پکارنے ہی سے بے خبر ہیں۔“[1]

[1] الأحقاف 5:46، ومجموع الفتاوى والرسائل لشيخ ابن العثيمين: 287/5.

اب رہا معاملہ توحید کا تو اس کی شکل یہ تھی کہ مشرکین اللہ کو اس کی ذات، صفات اور افعال میں ایک مانتے تھے، وہ کہتے تھے:

اسی کے ہاتھ میں آسمان وزمین اور ان کے بیچ کی ساری چیزوں کی ملکیت ہے اور صرف وہی رازق ہے جو انسان، حیوان، چوپائے، درندے، پرندے غرض ہر زندہ چیز کو روزی دیتا ہے اور صرف وہی مدبر ہے جو آسمان اور زمین تک کا سارا نظام چلاتا ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز یہاں تک کہ چیونٹی اور ذرے تک کے معاملات کا انتظام کرتا ہے اور صرف وہی آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا رب ہے اور وہی عرشِ عظیم کا رب ہے اور ہر چیز کا رب ہے۔ اس نے سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے، جن، انسان اور فرشتے سب کو اپنے تابع فرمان کر رکھا ہے اور سب کے سب اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں، وہ جسے چاہے پناہ دے، کوئی پکڑ نہیں سکتا اور جسے چاہے پکڑ لے کوئی پناہ نہیں دے سکتا، وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو حکم چاہتا ہے، لگاتا ہے، کوئی اس کا حکم روک سکتا ہے نہ اس کا فیصلہ بدل سکتا ہے۔

یہ ساری باتیں مشرکین تسلیم کرتے تھے اور ان سب میں وہ اللہ کو اکیلا اور یکتا مانتے تھے، وہ اللہ کی ذات اور صفات اور افعال میں کسی کو شریک نہیں مانتے تھے، البتہ ان باتوں میں اللہ کو ایک ماننے کے بعد وہ کہتے تھے:

اللہ نے اپنے بعض مقرب اور مقبول بندوں کو اس دنیا کے بعض کاموں میں کچھ تصرف کرنے کا اختیار دے دیا ہے اور وہ اللہ کے دیے ہوئے اس اختیار کی بنا پر تصرف کرتے ہیں، مثلاً: اولاد دے دیتے ہیں، مصیبت دور کر دیتے ہیں، بیمار کو شفا دیتے ہیں اور بعض دیگر ضرورتیں پوری کرتے ہیں اور اللہ نے انھیں یہ اختیار اس لیے دیا ہے کہ وہ

اللہ کے مقرب ہیں اور اللہ کے نزدیک ان کا خاص مقام ومرتبہ ہے چونکہ اللہ نے انھیں یہ تصرف واختیار دے رکھا ہے، اس لیے وہ بندوں کی ضرورتیں غیبی طریقے سے پوری کردیتے ہیں، چنانچہ بعض مصیبتیں دور کردیتے ہیں، بعض بلائیں ٹال دیتے ہیں اور جس سے خوش ہوجاتے ہیں، اسے اللہ کا مقرب بنا دیتے ہیں اور اللہ سے اس کی سفارش کردیتے ہیں۔

مشرکین نے اپنے ان خیالات کی بنا پر انبیائے کرام، اولیائے عظام، بزرگانِ دین اور نیکوکار لوگوں کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنایا اور ایسے اعمال ایجاد کیے جن کے ذریعے ان لوگوں کا قرب اور ان کی رضا مندی حاصل ہوسکے، چنانچہ وہ مشرکین پہلے ان اعمال کو بجا لاتے، پھر عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر ان ہستیوں ہی سے فریاد کرتے اور کہتے: ''ہماری ضرورت پوری کرو اور ہماری مصیبت ٹال دو اور ہمارا خطرہ دور کردو۔''

اب رہا یہ سوال کہ وہ کیا اعمال تھے جنھیں مشرکین نے ان ہستیوں کی رضا مندی اور تقرب کے لیے ایجاد کیا تھا؟ تو وہ اعمال یہ تھے کہ انھوں نے ان انبیاء، اولیاء اور بزرگانِ دین کے نام سے بعض مخصوص جگہوں پر آستانے بنا کر وہاں ان کی اصلی یا خیالی تصویریں یا مورتیاں سجا رکھی تھیں اور کہیں کہیں ایسا بھی ہوا کہ ان کے خیالات میں بعض اولیائے کرام یا بزرگانِ دین کی قبریں مل گئیں تو مورتی تراشنے کے بجائے انھی قبروں پر آستانے بنادیے۔ اس کے بعد یہ لوگ ان آستانوں پر جاتے اور مورتیوں یا قبروں کو چُھو کر ان سے برکت حاصل کرتے، ان کے گرد چکر لگاتے، تعظیم کے طور پر ان کے سامنے کھڑے ہوتے، نذر ونیاز پیش کرتے، چڑھاوے چڑھاتے اور ان طریقوں سے ان کی قربت اور ان کا فضل چاہتے، نیز نذر ونیاز اور چڑھاوے کے طور پر یہ لوگ اپنی کوئی بھی چیز پیش کردیتے۔ کھیتی سے حاصل ہونے والے غلے، کھانے پینے کی چیزیں،

جانور ، چوپائے ، سونا چاندی ، مال واسباب غرض جس سے جو ہوسکتا تھا، نذر کردیتا تھا۔ کھیتی ، غلے اور کھانے پینے کی چیزیں ، سونا چاندی اور مال واسباب چڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ ان آستانوں پر کچھ مجاور اور درباری ہوا کرتے تھے۔ مشرکین یہ چیزیں انھیں پیش کرتے اور وہ مجاور انھیں قبروں اور مورتیوں پر چڑھا دیتے تھے۔ عام طور پر ان کے بغیر براہِ راست کوئی چیز نہیں چڑھائی جاتی تھی۔

البتہ جانوروں اور چوپایوں کو چڑھانے کا طریقہ علیحدہ تھا اور اس کی بھی کئی شکلیں تھیں، چنانچہ کبھی وہ ایسا کرتے کہ ان اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کی رضا مندی کے لیے جانور کو ان کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے۔ وہ جہاں چاہتا چرتا اور گھومتا، پھر کوئی اسے کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچاتا بلکہ تقدس کی نظر سے دیکھتا۔ اور کبھی ایسا کرتے کہ جانور کو ان ولیوں اور بزرگوں کے آستانے پر لے جا کر ذبح کردیتے اور کبھی ایسا کرتے کہ آستانے کے بجائے گھر پر ہی ذبح کرلیتے لیکن کسی ولی یا بزرگ کے نام پر ذبح کرتے۔

ان کاموں کے علاوہ مشرکین کا ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ سال میں ایک مرتبہ ان ولیوں اور بزرگوں کے آستانوں پر میلہ لگاتے ......وغیرہ

افسوس کہ وہی جہالت تا حال جاری ہے، لٰہذا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سب کو صراطِ مستقیم سُجھائے اور اس پر ثابت قدمی سے گامزن ہوجانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین.

کفارِ مکہ رسولِ مقبول ﷺ کی ہجو کیا کرتے تھے (نعوذ باللہ)۔ چنانچہ گستاخیٔ رسولؐ کے جواب میں صحابہ کرامؓ اور دیگر مسلمان شاعروں نے مؤثر طور پر آپ ﷺ کا دفاع کیا اور آپ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ بیان کیے۔ نعت گوئی اسی لسانی جہاد کی پیداوار ہے۔ مگر حیرانی کی بات ہے کہ برصغیر ہندوپاک میں ہندو کلچر کے زیرِ اثر بھجنوں اور گیتوں میں استعمال ہونے والے ہندی الفاظ، تلازمات و مناسبات، علائم و رموز اور تشبیہات و استعارات کا استعمال بھی نعتیہ مضامین میں ہونے لگا یہاں تک کہ ہندی راگوں کی لے اور گیتوں کے انداز پر نعتیہ شاعری ہونے لگی...... اور رفتہ رفتہ نوبت بہ ایں جارسید کہ موجودہ عوامی نعتوں کا اکثر و بیشتر ذخیرہ فلمی گانوں کے زیرِ اثر لکھا، پڑھا اور موسیقی کے آلاتِ محرّمات کے ساتھ ٹی۔وی چینلوں پر گایا جانے لگا ہے۔ نیز صوتی آہنگ کو برقرار رکھنے کے لیے اللہ...... اللہ...... کے الفاظ کو غنائیت (Rhythm) کے طور پر مستعمل کر لیا گیا ہے، جو آدابِ نعت گوئی کے سراسر خلاف ہے۔ جبکہ نعت اور اس کے آداب کا حقیقی نمونہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم، اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم اور صلحائے اُمت رحمہم اللہ کے عربی، فارسی اور اُردو نعتیہ کلام میں ملتا ہے، جس کا انتخاب اس کتاب میں موجود ہے۔ قارئین سے التماس مطالعہ ہے!

ریاض • جدہ • شارجہ • لاهور • کراچی
اسلام آباد • لندن • هیوسٹن • نیو یارک